جلد 12 شمارہ 6 مئی 2010ء جمادی الاول 1431ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

محبت

اللہ

صداقت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

ماہنامہ
گوجرانوالہ
فلاح آدمیت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد خواجہ عبدالحکیم انصاری رح

بانی سلسلہ

نگران و سرپرست

محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

Mob: 0300-6493335

مدیر : احمد رضا

نائب مدیر : پروفیسر محمد احمد شاد

تقسیم کنندہ : نعمان احمد
0300-6452570

ڈیزائنگ اینڈ کمپوزنگ : محمد رفیق

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ کے لئے

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ)

وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:055-3862835
055-4005431

رابطہ مدیر : 0321-6400942

فیکس نمبر : +92-55-3736841

ای میل : info@toheedia.net

قیمت شمارہ ———— -/20 روپے

سالانہ فنڈ ———— -/200 روپے

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

اس شمارے میں

درس قرآن

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک

انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالی گئی!

یہاں ایک مرتبہ پھر اللہ کے بندوں کے اوصاف کا ذکر ہے اور ایک اشکال کا ازالہ کہ بندوں کو اسی قدر احکام دیئے گئے ہیں جس قدر ان کی قوت برداشت اور ان پر عمل کرنے کی ہمت اور صلاحیت ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاo

''اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے'' (المومنون:62)

یعنی انسان پر اتنی ہی ذمہ داری ڈالتے ہیں جو اس کے بس میں ہوتی ہے۔ بعض دفعہ ہم بہت غلط باتیں کرتے ہیں مثلاً یہ کہ جب تک بے ایمانی نہ کرو، رشوت نہ لو، گزارہ نہیں ہوتا یا رشوت دیئے بغیر گزارہ نہیں ہوتا۔ رزقِ حلال حاصل کرنا ممکن نہیں رہا وغیرہ وغیرہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رزقِ حلال کمانے کی ذمہ داری ناقابل عمل اور فعلاً ناممکن ہے اور اللہ تعالیٰ سے غلطی ہوئی کہ ہمیں رزقِ حلال کمانے کا حکم دیا۔ العیاذ باللہ۔ حقیقت یہ ہے کہ رزقِ حلال کمانا اور حرام سے بچنا ہمارے بس میں ہے۔ اِسی لئے ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے مزاج، طبیعت اور ہماری وسعت و طاقت کو ہم سے زیادہ اور بہتر جانتے ہیں۔ اِسی لئے یہ حکم دیا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:۔

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ط وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُo

''آگاہ رہو! جس نے پیدا کیا ہے، وہ جانتا ہے کیونکہ وہ پوشیدہ چیزوں کا جاننے والا اور باخبر ہے۔ (الملک:16)

حاصل کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام ہم پہ فرض کئے، وہ اِسی لئے کئے کہ ان پر عمل کرنا ہمارے بس میں ہے اور جو چیزیں حرام قرار دیں، وہ اس لئے کیں کہ ان کو چھوڑنا ہمارے بس میں ہے اور کسی حکم کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ تو بہت مشکل ہے اور ہمارے لئے ناممکن ہے، اللہ تعالیٰ

پر الزام ہے (**نعوذ باللہ من ذلک**) کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم زیادہ جانتے ہیں اور اللہ کو اس کا علم نہیں۔ وہ ہماری فطرت اور وسعتِ عمل سے واقف نہیں اور ایسے احکام صادر کر دیتا ہے جن پر عمل کرنا انسان کے بس میں نہیں! (نعوذ باللہ)

اصل بات یہ ہے کہ ہم بے ایمانی کے بغیر گزارہ نہیں کرنا چاہتے۔ جیسا کہ یوم سبت کے واقعہ میں ذکر ہو چکا ہے کہ انہوں نے حلال کو اپنے لئے کافی نہ سمجھا اور حرام کا دروازہ کھول لیا اور ہفتہ کے دن شکار کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ہفتہ کے دن مچھلیاں زیادہ کر دیں اور اتوار، سوموار، منگل، بدھ، جمعرات، جمعہ کو مچھلیاں کم اور اتنی کم ہوئیں کہ اس دن آتی ہی نہ تھیں۔ صرف ہفتے کے روز ہی آتیں کہ تمہیں حرام پسند ہے تو صرف حرام ہی لو اور یہ اس لئے کیونکہ حرام کی ابتدا ہم خود کرتے اور حرام کا راستہ ہم خود کھولتے ہیں اور جب حرام کا راستہ کھل جائے تو پھر حرام کے بغیر گزارہ ممکن نہیں ہوتا، اِس لئے اللہ سے دُعا کرنا چاہئے کہ ہمیں رزق حلال دے اور رزق حرام سے بچائے رکھے۔ آمین!

حضور اکرم ﷺ کے صحابہؓ کو ہمیشہ یہ کھٹکا لگا رہتا کہ ہم لوگ سچے مومن بھی ہیں یا نہیں؟ کہیں خدا نا خواستہ ہم منافق تو نہیں؟ ایک مرتبہ صحابی سیدنا حنظلہؓ سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے ملے اور کہنے لگے کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا، اللہ رحم کرے۔ تم تو سچے مومن ہو۔ تو اُنہوں نے وجہ بیان کی کہ جب ہم حضور کی مجلس میں ہوتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ ہم اس دنیا سے لاتعلق اور اللہ والے ہیں جب وہاں سے اُٹھ کر اپنے کاروبار اور بیوی بچوں میں مشغول ہوتے ہیں تو ہماری کیفیت بدل جاتی ہے۔ اِس لئے کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں منافقت کا شکار ہو رہا ہوں۔ تو سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ حال تو ہمارا بھی ایسا ہی ہے۔ دونوں حضرات مل کر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور اپنی اس کیفیت کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہاری یہ کیفیت جو اس مجلس میں ہوتی ہے، اگر ہر وقت رہے تو پھر گلی کوچوں میں فرشتے تمہارے سامنے آئیں اور تم سے مصافحہ کریں لیکن یہ کیفیت کبھی کبھی نصیب ہوتی ہے۔ اور وہ بھی صرف نبی ﷺ کی صحبت میں اور اللہ والوں کی صحبت میں بھی یہ کیفیت ایک درجہ نصیب ہوتی ہے مگر یہ ہر وقت

نہیں رہا کرتی اور یہ منافقت بھی نہیں ۔جب ایمان نہ ہوتو آدمی بےفکرا ہو جاتا ہے۔ہمیں جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ ہمارے ایمان کی کیفیت کیا ہے ۔یہ موجود بھی ہے یا نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ بقول غالب ۔

ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے

مشرکین مکہ اور ہمارے عقائد کا تقابل

آئندہ آیات میں اہل مکہ کے عقائد کا حال بیان کیا گیا ہے ۔یہ پڑھ کر شرم آتی ہے کہ توحید اور صحت عقیدہ میں ہم اِس مقام پر بھی نہیں ہیں ۔جس مقام پر اہل مکہ تھے، جن کے خلاف حضورﷺ نے جنگیں کیں اور قتال کئے ۔اور جن کی کیفیت یہ تھی کہ وہ پیغام حق کو تکبر کی وجہ سے جھٹلاتے ، نبیﷺ کو دیوانہ و مجنوں کہتے اور یہ خواہش رکھتے تھے کہ یہ ایماندار لوگ ہمارے تابع ہو جائیں ۔وہ پے در پے عذاب کا شکار ہوئے مگر مکمل توحید کی طرف مائل نہ ہوئے ۔مگر یہاں اِس بات کا ضرور جائزہ لینا چاہئے کہ اہل مکہ اپنی ناقص توحید کے باوجود ہم لوگوں سے بہتر تو نہیں تھے؟ ہم لوگ اپنے بلند بانگ دعووں کے باوجود کیا ابھی تک اپنے عقیدہ توحید میں اس قدر پس ماندہ تو نہیں کہ مشرکین مکہ کے مقام سے بھی پیچھے ہوں ۔اللہ تعالیٰ اِن کو یاددہانی کے طور پر فرماتے ہیں کہ جس اللہ کی عبادت کی طرف یہ نبی تم کو دعوت دیتا ہے اِس اللہ ہی نے تم کو دل و دماغ اور قوت سماعت و بصارت سے نوازا ہے ۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۔ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَo

’’اور وہی تو ہے جس نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے لیکن تم شکر گزاری کم کرتے ہو‘‘۔ (المومنون:78)

اور اس کے ساتھ ہی زمین کی تخلیق اور انسانوں کی موت و حیات اور قیامت کا ذکر اور اہل مکہ سے کچھ سوالات ہیں ۔ارشادِ ربانی ہے:۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَo **سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ** ۔

قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ٥ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ٥ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۔ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ٥ قُلْ مَنْ م بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ٥

''آپ کہہ دیجئے کہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ سب کس کا ہے، اگر تم جانتے ہو؟ وہ فوراً کہیں گے کہ اللہ کا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم سوچتے کیوں نہیں! آپؐ پوچھیں کہ سات آسمانوں کا مالک کون ہے؟ اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے؟ وہ فوراً کہیں گے کہ اللہ کا ہے۔ آپؐ کہیں کہ پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟ آپؐ پوچھئے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا، اگر تم جانتے ہو؟ وہ فوراً کہیں گے: ایسی بادشاہت تو اللہ کی ہے۔ آپؐ کہہ دیجئے پھر تم پر جادو کہاں سے پڑ جاتا ہے؟''۔ (المومنون:84-89)

اتنی ساری باتیں مانتے ہو کہ زمین میں جو کچھ ہے اس کا مالک اور خالق اللہ ہے اور اس کے سوا اس زمین کا اور زمین کی تمام چیزوں کا کوئی اور مالک نہیں ہے اور اتنا بھی جانتے ہو کہ سات آسمانوں کا اور عرشِ عظیم کا رب صرف اللہ ہے۔ یہ بھی مانتے ہو کہ ہر چیز کا اختیار و تصرف صرف اللہ کو حاصل ہے۔ یہ بھی مانتے ہو کہ اصل پناہ دینے والا وہی ہے۔ پھر کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ یہ بھی مانتے ہو تو ظالمو! اتنا کچھ ماننے کے بعد تم سجدے ''لات اور ہبل'' کو کرتے ہو۔ مرادیں ان سے مانگتے ہو۔ اطاعت ان کی کرتے ہو۔ مانتے ہو کہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے اور جھکتے غیروں کے آگے ہو۔ کیا تم پہ جادو چل گیا ہے؟

قرآنِ مجید اتنی گواہی تو دے رہا ہے کہ کفارِ مکہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا ایمان رکھتے ہیں کہ زمین و آسمان میں، عرش پہ جو کچھ ہے، وہ سب کا سب اللہ ربُّ العزت کا ہے۔ اختیارات سارے اللہ کے ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے، وہی کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے، دیتا ہے اور روکتا ہے۔ وہ کسی کو گرفت کرے تو کوئی پناہ دینے والا نہیں۔ یہ عقیدہ اہلِ مکہ سے منوا کر فرمایا کہ اس عقیدے کو تم بروئے عمل کیوں نہیں لاتے؟ اس کے بعد ایمانداری سے تجزیہ کیجئے کہ کیا یہی عقیدہ جو قرآنِ

پاک میں کفار کے نام لکھا ہوا ہے، کیا ہم اس سے بھی کہیں پیچھے تو نہیں رہ گئے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ کفار مکہ ذات الٰہی اجل مجدہ کو جس قدر فاعل حقیقی اور صاحب اختیار و تصرف مانتے تھے، ہم اتنا بھی نہ مانتے ہوں؟ ہماری مساجد کے لاؤڈ سپیکرز سے جو عقیدہ پھیلایا جا رہا ہے، کیا وہ یہی عقیدہ ہے؟ نہیں ہرگز نہیں کیونکہ یہاں تو یہ سننے میں آ رہا ہے کہ۔

جو پکڑے خدا تو چھڑائے محمد ﷺ
جو پکڑے محمد ﷺ چھڑا کوئی نہیں سکتا

اور

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے، لے لیں گے محمد ﷺ سے

یہ نظریات اِن مولوی نما لوگوں کے ہیں جو راہبری کے دعویدار ہیں۔ یقین کر لیں کہ جس قوم کا مذہبی راہنما نیم ملا گمراہ ہو جائے۔ قوم کو گمراہی کے کھڈے میں دھکیل دے تو اس قوم کو بچانے والا کوئی نہیں۔ بس اللہ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں جاہل قسم کے مذہبی بہروپیوں (وہ نیم خواندہ ملا جو عالم دین نہیں) سے بچا لے، جو منبر پر بلا استحقاق بیٹھ گئے ہیں۔ یہ صرف اس لئے ہوا کہ ہم اور آپ لوگ غیر حاضر ہیں۔ آپ لوگ پروفیسر، انجینئر، کرنیل، بریگیڈیئر، جرنیل بن گئے اور ہوش ہی نہ رہا کہ قرآن، حدیث اور سیرت طیبہ کو بھی پڑھتے۔ یہ جگہ بہروپیوں کیلئے نہ چھوڑتے۔ یاد رکھئے کہ جب بہروپیے پکڑے جائیں گے تو آپ بھی پکڑے جائیں گے اور پھر یہ کہہ کر کہ ہم ناخواندہ لوگ تھے۔ عالم دین نہ تھے، ہماری جان نہیں چھوٹے گی کیونکہ ہم توحید کے اِس ادنیٰ مقام پر بھی نہیں جس مقام پر کفار مکہ تھے۔ کفار مکہ کا عقیدہ تھا کہ **بیدہ ملکوت کل شیءٍ** ''اِسی (اللہ تعالیٰ) کے ہاتھ میں ہر چیز کی طاقت اور اختیار و تصرف ہے'' جبکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے۔

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے، لے لیں گے محمد ﷺ سے

گویا **بیدہ ملکوت کل شیءٍ** کے خلاف بول رہے ہیں ہم تو **وھو یجیر ولا یجار علیہ** (وہی اللہ تعالیٰ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا) کے

خلاف عقیدہ رکھتے ہیں۔ہم تو ہر روز لاؤڈ سپیکر سے سنتے ہیں۔

جو پکڑے خدا تو چھڑائے محمد ﷺ

جو پکڑے محمد ﷺ چھڑا کوئی نہیں سکتا

گویا اب تجزیہ کرنا ہوگا کہ کہیں ہم کفر اور شرک کی اس گہرائی اور مقام تک تو نہیں گر گئے جو کفارِ مکہ اور جاہلین عرب سے بھی گیا گزرا ہے۔یہ ایک انتہائی تلخ حقیقت ہے جسکا میں نے اپنی کتاب ''وجودِ باری تعالیٰ اور توحید'' میں تفصیلاً ذکر کیا ہے اِس نظریاتی گمراہی کے ذکر کے بعد ایک دُعا کی تلقین کی جارہی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّىْ مَا يُوْعَدُوْنَ ٥ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِىْ فِى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ٥

''(اے نبی!) آپ کہہ دیجئے،اے میرے رب! جس عذاب کے دن کا کفار سے وعدہ کیا گیا ہے اگر میری زندگی میں ان پر نازل ہو تو مجھے اس سے محفوظ رکھنا۔اے میرے رب! مجھے ظالم شمار نہ کرنا،،۔ (المؤمنون:93-94)

کیونکہ اِس حد تک گری ہوئی گمراہی کا انجام عذاب کے علاوہ اور کچھ نہیں اور پھر ایک مبلغ کی حیثیت سے آپ کو حکمت بتائی کہ برائی کا جواب اچھائی ہی سے دیجئے اور جب اِن مصائب میں ابلیسی افکار آپ کا پیچھا کرنے لگیں تو اِس دُعا کے ذریعے سے اِن سے چھٹکارا حاصل کریں۔

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ٥

وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ٥

''کہہ دیجئے! اے میرے رب! میں شیطان کے وسوسوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور اے میرے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ وہ (وساوس و شیاطین) میرے پاس آ حاضر ہوں''۔ (المؤمنون:97-98)

اِس مقام پر یہ یاد رکھئے کہ نبی اکرم ﷺ تو معصوم ہیں مگر یہ سب کچھ آپ ﷺ کے توسط ہی سے ہمیں تلقین کیا جارہا ہے۔

قیامِ حشر کا منظر

اور قیامِ حشر کا ایک منظر یوں ذکر ہوا:

**فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّ لَا یَتَسَآءَ لُوْنَ ٥
فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ
فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ٥ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ
النَّارُ وَهُمْ فِیْهَا کٰلِحُوْنَ ٥ اَلَمْ تَکُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ فَکُنْتُمْ بِهَا
تُکَذِّبُوْنَ ٥ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَیْنَا شِقْوَتُنَا وَکُنَّا قَوْمًا ضَآلِّیْنَ ٥ قَالَ
اخْسَئُوْا فِیْهَا وَلَا تُکَلِّمُوْنِ ٥ اِنَّهٗ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْ عِبَادِیْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ
اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ ٥ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ
سِخْرِیًّا حَتّٰٓی اَنْسَوْکُمْ ذِکْرِیْ وَکُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَکُوْنَ ٥ اِنِّیْ
جَزَیْتُهُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ٥ قٰلَ کَمْ لَبِثْتُمْ فِی
الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ ٥ قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّیْنَ ٥
قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا لَّوْ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ٥ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا
خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ٥ فَتَعٰلَی اللّٰهُ الْمَلِکُ الْحَقُّ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ ٥ وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا
بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ـ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ ٥**

''پھر جب (قیامت میں) صور پھونکا جائے گا، تو ان میں (جو) باہمی رشتے ناطے (تھے) اِس روز نہ رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔ اِس وقت جن کے پلڑے بھاری ہوں گے، وہی فلاح پائیں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے، تو یہی وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈال لیا۔ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، آگ ان کے چہروں کی کھال چاٹ جائے گی اور ان کی جبڑے باہر نکل آئیں گے۔ (ارشاد ہوگا) کیا تم وہی لوگ نہیں ہو جن کو میری آیات سنائی جاتیں تھیں تو تم انہیں جھٹلاتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہماری بدبختی ہم پر چھا گئی تھی۔ ہم واقعی گمراہ لوگ تھے۔ اے پروردگار! اب ہمیں یہاں سے نکال دے۔ اگر پھر ہم ایسا

قصور کریں تو ظالم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ جواب دے گا: اِس میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔ تم وہی لوگ ہو کہ میرے کچھ بندے جب کہتے تھے: اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے۔ ہمیں معاف کر دے، ہم پر رحم کر اور تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے، تو تم نے ان کا مذاق بنالیا۔ یہاں تک کہ ان کی ضد نے تمہیں یہ بھی بھلا دیا کہ میں بھی کوئی ہوں اور تم ان پر ہنستے رہے۔ آج ان کے صبر کا میں نے یہ پھل دیا ہے کہ وہی کامیاب ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا: بتاؤ زمین میں تم کتنے سال رہے؟ وہ کہیں گے کہ ایک دن یا دن کا بھی کچھ کم حصہ رہے ہوں گے۔ آپ شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے۔ اللہ فرمائے گا! تھوڑی ہی دیر ٹھہرے ہونا؟ کاش تم نے یہ اِس وقت جانا ہوتا۔ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں فضول ہی پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف کبھی پلٹنا ہی نہیں؟ بس بالا و برتر ہے اللہ کہ جو بادشاہ حقیقی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبودِ حق نہیں وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے اور نہ ہی کوئی ایک دوسرے کو پوچھے گا اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارتا ہے کہ جس کیلئے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ یقیناً کافر کبھی فلاح نہیں پا سکتے''۔ (مؤمنون: 101-117)

آیاتِ مذکورہ میں ایک مقام پر اہلِ ایمان کے ساتھ تمسخر و استہزاء کو بھی جہنم میں جانے کا ایک سبب بیان کیا گیا ہے کیونکہ ایمان کی طرف دعوت دینے والے مبلغ اللہ کے ہاں بہت ہی محبوب و پسندیدہ ہیں۔

جو شخص اللہ کے علاوہ کسی اور معبود کی عبادت کرتا یا اس کو پکارتا ہے اور اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اللہ کے ہاں ہو گا اور بلا شبہ کافر کبھی کامیاب و کامران نہ ہوں گے۔

ایک انتہائی مفید دُعا

اِس سورۃ کے آخر میں اللہ سے رحمت و مغفرت کی دُعا سکھائی گئی ہے:۔

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَo

''(اے پیغمبرؐ) آپ کہہ دیجئے اے میرے پروردگار! بخش دے اور رحم فرما اور آپ سب سے بہتر رحم کرنے والے ہیں''۔ (مؤمنون: 118)

بارِ امانت اور عہد الست

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

محبت کی تکمیل

انسان نے عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی امانت اٹھائی ۔ یہاں دنیا میں اللہ تعالیٰ کی شدید محبت اور عشق الٰہی کو مومنین کی خاصیت قرار دیا گیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ انسان سے بے پناہ محبت کرتا ہے اور اس محبت کی بنا پر اسے ان گنت نعمتیں عطا کر رکھی ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر قرآن کریم میں بار بار کیا گیا ہے تا کہ انسان اللہ تعالیٰ کے پیار کو محسوس کرے اور انسان میں احسان شناسی کا جذبہ اور اللہ کے ساتھ محبت برابر ترقی کرتی چلی جائے ۔ اللہ تعالیٰ کا دین ایک مکمل نظام حیات ہے جس کی روح رواں اللہ تعالیٰ ، رسول اللہ ﷺ ، بنی نوع انسان اور حیات آخرت کی محبت ہے ۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ **اَلْحُبُّ اَسَاسُ دِیْنِیْ** یعنی محبت میرے دین کی اساس و بنیاد ہے ۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے ۔

علم حق غیر از شریعت ہیچ نیست
اصل سنت جز محبت ہیچ نیست

یعنی علم حقائق کا منبع شریعت الٰہیہ ہے اور حضور ﷺ کی سنت یعنی حیات طیبہ میں محبت کے سوا کچھ ہے ہی نہیں ۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے سب جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور آپ کے طریقہ پر چلنے سے فرد اور معاشرہ دونوں سراپا محبت بن کر اس مقام پر فائز ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنا محبوب بنالیتا ہے ۔ طالبان محبت کو ان کی منزل مقصود تک پہنچانے کی خاطر ہی اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اے میرے حبیب ﷺ آپ واشگاف الفاظ میں بنی نوع انسان کو آگاہ کر دیجئے ۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ o (ال عمران ۔ 31)

''آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ کی محبت مطلوب ہے تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دیگا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''

دین اسلام میں داخلے کا مطلب ہی اللہ تعالیٰ کو اپنا مقصود و مطلوب و محبوب بنالینا ہے۔ محبت تو ہمیشہ قربانی مانگتی ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورت التوبہ آیت 111 میں فرمایا ہے کہ ''اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال و دولت جنت کے بدلے خرید لئے ہیں''۔ محبت کی راہ میں خودفروشی کی اس ابتدا کو کمال تک پہنچانے کے لئے ہی رسول اللہ ﷺ کے اتباع کو لازمی قرار دیا گیا ہے کیونکہ آپ ہی کاروانِ عشق و محبت کے سالار ہیں۔ دوسری طرف شیطان ہے جو اپنے ہتھکنڈوں اور مکروفریب کے ذریعے انسانوں کو لغو کاموں اور فضول دلچسپیوں میں الجھا کر نماز اور اللہ کے ذکر سے روکتا ہے۔ انسانوں میں تفرقے پیدا کر کے ان کے درمیان دشمنی اور بیر ڈالنا چاہتا ہے۔ انہیں فاقوں کا خوف دلا کر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتا ہے اور انہیں مادی لذات کا شیدا بنا کر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا کے مشن میں ناکام کرانا چاہتا ہے جو انسان شیطان کے جال میں پھنس کر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں وہ میثاق ازل کو توڑنے کا صریح جرم کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآاَمَرَاللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَo (البقرہ۔27)

''جو اللہ کے اقرار کو پکا کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جس چیز کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے اس کو قطع کرتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں''

انسان کی اصل کامیابی عالم ارواح میں کئے ہوئے عہدوپیمان کی پابندی پر منحصر ہے۔ اس جہان میں زندگی کا لمحہ لمحہ انسان کی آزمائش کرتا ہے کہ وہ اپنا سرمایہ محبت کہاں صرف کر رہا ہے۔ یہ بات ہم اکثر دہراتے رہتے ہیں کہ دنیا میں خرابی نہیں ہے کیونکہ انسان کو تو پیدا ہی اس کی خلافت کے لئے کیا گیا تھا۔ اور اسی کی خاطر اسے مسجود ملائکہ بنایا گیا۔ بلکہ اصل خرابی اللہ تعالیٰ کی بجائے دنیا کو اپنا محبوب بنالینے میں ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔ **حُبُّ الدُّنیَارَأسُ کُلِّ خَطِیئَتِہٖ** ''کہ سب خرابیوں کا منبع اور جڑ دنیا کی محبت ہے'' دنیا کی ساری زندگی محبت کی امتحان گاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اور آخرت کی محبت کے مقابلے میں دنیا اور اس کی زینت سے پیار کرنا ہی اصل جرم ہے اس کوتاہی کی شدت کا اندازہ لگانا ہو تو سورت الاحزاب کی آیات 28 اور 29 کا مطالعہ فرمائیں جن میں سید الکونین ﷺ کی ازدواج مطہرات کے بارے میں ہدایت نازل ہوئی ہے۔

(ترجمہ) ''اے میرے پیارے نبی آپ اپنی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی رونق و نمائش چاہتی ہو تو تمہیں کچھ فائدہ دے کر اچھی طرح رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ، اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو جو تم میں سے محسنات ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے''

ذرا خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمایئے کہ ایک طرف حیات دنیا اور اس کی زینت ہے اور دوسری طرف اللہ، اس کا رسول ﷺ اور آخرت کا گھر ہے اور حکم ہو رہا ہے کہ ان میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ یہ حکم تو مومنین کی ماؤں کیلئے نازل ہوا جن کا معیار زندگی ویسے بھی فقیرانہ ہی تھا۔ اسی طرح اہل ایمان کو متاع غرور کی محبت سے باز رکھنے کیلئے مادی دنیا کی پر کشش چیزوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

(ترجمہ) ''آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا''۔ (التوبہ۔24)

مندرجہ بالا آیات کی میزان میں ہم سب اپنے آپ کو ڈال کر اپنا وزن معلوم کر سکتے ہیں۔ لیکن ان سے مراد ترک دنیا لینا ہرگز درست نہیں ہے کیونکہ اسلام میں رہبانیت حرام ہے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ دنیا کے کاروبار اور مال و اولاد یا کسی بھی شے کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی یاد پر ہرگز غالب نہ آنے پائے اور زندگی کے ہر قدم پر ترجیح ہمیشہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور آخرت کی زندگی کو دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جو بھی مقام مرتبہ عطا کر رکھا ہو اس کی محبت میں

گرفتار ہونے کی بجائے اسے اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا کے حصول کا ذریعہ بنایا جائے۔اسلام دنیا کو چھوڑنے کی تعلیم ہرگز نہیں دیتا بلکہ دنیا کو دین کے تحت بسر کرنے کا حکم دیتا ہے۔

نمی گویم کہ از عالم جدا باش
بہر کارے کہ باشی باخدا باش

روشنی اور رحمت کی طرف

ہر انسان کے اندر اس کی وہی روح کارفرما ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کر چکی ہے۔اس کا تعلق مادے سے نہیں بلکہ عالم امر سے ہے۔اس کی سرشت میں اللہ تعالیٰ کی محبت ڈال دی گئی ہے۔گویا ہر انسان کے اندر اللہ کی محبت کا ازلی چراغ روشن ہے لیکن مادی وجود کی وجہ سے اس جوہر لطیف کے گرد طرح طرح کی کثافتیں لپٹی ہوئی ہیں۔اس دنیا میں آ کر جوں جوں انسانی جسم پھلتا پھولتا اور اس کے حواس ترقی کرتے ہیں اس کے علم میں اضافہ ہوتا ہے تو خواہشات بھی بڑھتی اور پھر بڑھتی چلی جاتی ہیں اور لامحدود ہو جاتی ہیں۔اگر انسان اللہ تعالیٰ کو بھول کر ان کی پیروی میں لگ جائے،قناعت اور توکل کو چھوڑ کر مادی آسائشوں کے سمیٹنے کی دلدل میں پھنس جائے تو پھر اس کی ہوس اسے ''زیادہ سے زیادہ اور سب سے زیادہ'' کے سراب کے پیچھے بھٹکاتی پھرتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کی حرماں نصیبی کی اس داستان کو دو لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔ **اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ** ''کثرت کی جستجو نے ہی تجھے بھٹکا دیا ہے''۔اللہ تعالیٰ سے کئے گئے عہد و پیمان اور اس کی طرف سے بھیجے گئے ہدایت کے سامان کے باوجود کفر و ایمان کے راستوں میں سے کسی ایک کا انتخاب انسان کی اپنی صوابدید پر ہے۔وہ چاہے تو اپنے رب کی محبت اور اطاعت کی راہ اختیار کر کے مادی کثافتوں اور متعلقہ اندھیروں سے نکل کر حریم کبریا کی طرف محو پرواز ہو جائے اور چاہے تو اپنے محبوب حقیقی کو بھول کر مادی لذات اور نفسانی خواہشات کے اندھیروں میں گم ہوتا چلا جائے۔

فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا o قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا o وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا (الشمس۔8تا10)

''پھر اسے بدکاری اور پرہیز گاری کرنے کی سمجھ دی۔جس نے روح کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ خسارے میں رہا''۔

اللہ تعالیٰ کے دین کا ہر جز و اس ہدف کے حصول کیلئے وضع کیا گیا ہے کہ انسان دنیاو مافیھا کی محبت میں گرفتار نہ ہو اور اس کے اندھیروں سے نجات پا کر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی فرض عبادات علائق دنیا کی محبت کو توڑنے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو فروغ دینے کے پر از حکمت اور بہترین ذرائع ہیں۔ شریعت میں جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی محبت کے چراغ کو غذا فراہم کرتے، دل کی سیاہی کو دھوتے اور اللہ کے قریب کرتے ہیں اور جن کاموں سے منع کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرتے، قلب کو سیاہ کرتے اور اللہ سے دوری کا سبب بنتے ہیں۔ جو اعمال اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ دور کرنے والے ہیں وہ کبیرہ گناہ کہلاتے ہیں اور باقی صغیرہ۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ بات آپ کی سمجھ میں آ گئی ہو گی کہ ثواب و گناہ کا پیمانہ روح کی لطافت اور کثافت ہی ہے۔ آپ اس نکتہ نظر سے احکام شریعت پر جتنا غور فرمائیں گے یہ حقیقت روشن ہوتی چلی جائے گی کہ پورا نظام ہی انسان کو ازل میں کئے گئے عہد و پیمان پر قائم رکھنے کیلئے ترتیب دیا گیا ہے تاکہ وہ صراط مستقیم پر چلتے ہوئے اپنے مقام محمود تک پہنچ جائے۔

ایں همه اسباب استحکام تست
پختہ و محکم اگر اسلام تست
روح چوں رفت از صلوٰۃ و از صیام
فرد ناہموار و ملت بے لگام

شریعت کے تمام احکام تمہیں تقویت پہنچانے اور اللہ کی راہ میں استقامت بخشنے کے اسباب ہیں بشرطیکہ تیرا اسلام زبانی کلامی اور رسمی نہ ہو بلکہ پختہ و پائیدار رہو اور تو اللہ کی محبت کا سچا طلبگار ہو۔ اللہ تعالیٰ کی محبت ہی دین کا مقصود اور عبادات کی روح رواں ہے۔ جب سے یہ حقیقت نظر سے اُوجھل ہوئی اور ہم اصلی کی بجائے نسلی مسلمان بن گئے اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذوق و شوق ہماری عبادات سے رُخصت ہو گیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اسلامی معاشرہ کے افراد افراط و تفریط کا شکار ہو کر جادہ حق سے ہٹ گئے ہیں اور من حیث القوم ان کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عشق اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہی ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندقوت ہے۔ وحدت افکار و کردار سے ملی اتحاد پیدا ہوتا ہے۔ جب عشق کی آگ بجھی تو یہ اُمت جو ایک شعلہ جوالہ تھی راکھ کے ڈھیر میں

تبدیل ہوکر رہ گئی۔اسلامی شعائر کا ظاہری ڈھانچہ اور اس کے بنیادی ارکان نماز، روزہ، قربانی و حج تو سب باقی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنے مال اور جانیں فروخت کردینے والی قوم اور حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کے خلق عظیم کی حامل خیر الامت باقی نہیں رہی۔دین کی اصل حقیقت آنکھوں سے اوجھل کردینے اور فروعات کو دین بنا دینے کی وجہ سے ہی فرقہ پرستی نے جنم لیا ہے۔جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور رفلاح آدمیت کے علمبردار مسلمانوں کے ہاتھ آج اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں اور ہم خود ہی اسلام کی رسوائی کا باعث بن کر اللہ رحیم وکریم کی رحمت سے دور ہو چکے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہم السلام انسانوں کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات مٹانے، تفرقے ختم کرنے اور خون ریزی روکنے کیلئے بھیجے تاکہ وہ زندگی کے اصل مقصود یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کیلئے متحد ہو جائیں۔حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کے فرمان **اَلدِّیْنُ نَصِیْحَۃٌ** دین تو خیر خواہی کا نام ہے جس میں انسانوں کو پیار بھری نصیحتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بندگی کیلئے دعوت دی جاتی ہے۔اس میں ظالموں کا خاتمہ اور بے کسوں کی دستگیری ہے۔اس میں مخلوق خدا کی خدمت اور بھلائی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔جس دین میں جبر کیلئے کوئی جگہ نہ ہو۔جس میں کسی بھی انسان کو برے القاب سے پکارنے اور اس کی دل آزاری سے روک دیا گیا ہو۔جس میں باطل مذاہب کے جھوٹے خداؤں اور بتوں کو بھی گالی دینے سے منع کیا گیا ہو، اس سراپا رحمت دین میں عداوت ونفرت اور بدزبانی کیونکر جگہ پا سکتی ہے۔یہ ساری خرابیاں قرآن وسنت سے ہٹ کر گھڑے گئے عقیدوں، مسلک پرستی اور شخصیت پرستی کے شاخسانے ہیں۔دین اسلام کا تو ہر پہلو رحمت ورافت کا مظہر اور ہر حکم اللہ تعالیٰ، اس کے پیارے رسول ﷺ اور اس کی پیاری مخلوق کی محبت کا داعی ہے۔اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی دعوت بھی نوری ہے اور نور کے ذریعے نور کی طرف ہی راہنمائی کرتی ہے تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب بن کر صراط مستقیم پر گامزن ہو جائیں۔

قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌo يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍo (المائدۃ 15-16)

''بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آ چکی ہے۔جس سے اللہ اپنی رضا پر چلنے والوں کو نجات کے راستے دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے اندھیرے میں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا اور ان کو سیدھے راستے پر چلاتا ہے''۔

دوسری طرف ایک ناری دعوت بھی موجود ہے جو نار سے پیدا کئے گئے شیطان کی طرف سے ہے اور نارِ جہنم کی طرف لے جانے والی ہے۔اس کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح آیا ہے۔

یَاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَ لَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُo اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَہٗ لِیَکُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِo (فاطر۔5تا6)

''لوگو اللہ کا وعدہ سچا ہے۔تم کو دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ شیطان فریب دینے والا تمہیں فریب دے۔شیطان تمہارا دشمن ہے پس تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو۔وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں سے ہو جائیں''۔

دنیا کی زندگی کے دھوکے اور مادی لذتوں کے اندھیرے نہایت خطرناک اور سخت بگاڑ پیدا کرنے والے ہیں اسی لئے ان سے بچنے کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔انسان کی تخلیق کے موقع پر ملائکہ نے صرف مادے کے ظلمات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ انسان زمین میں خون ریزی اور فساد برپا کریگا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو اپنی محبت کا شوق اور بندگی کا ذوق ودیعت فرمایا تھا اس کی بناء پر فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست ثابت ہوئی ہیں۔جو انسان اللہ تعالیٰ کی بندگی سے منہ موڑ کر مادی خواہشات کے اندھیروں کے قیدی بن گئے انہوں نے یہاں خوب فساد مچایا اور خون بہایا ہے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد و پیمان کے مطابق اطاعت و محبت والی زندگی بسر کی وہ مخلوقِ خدا کیلئے سراپا رحمت بن کر کامیاب ہو گئے۔اللہ تعالیٰ کا دین اہل ایمان کو اللہ کے رنگ میں رنگ کر رحمت و رافت اور محبت و شفقت کے عملی نمونے بنانا چاہتا ہے۔ایسا کیوں نہ ہو کہ دین کا سارا نظام ہی رحمت پر استوار ہے۔قرآنِ کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بارے میں یہ ارشاد فرمایا۔

کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ (الانعام۔54) تمہارے رب نے اپنی ذات کیلئے رحمت لکھ رکھی ہے اور اپنے پیارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً الِّلعٰلَمِیْن (الانبیاء۔107)
اور ہم نے آپ کو سب جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے''اور یہ بھی آپ ہی کی شان میں ارشاد ہوا۔ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ (التوبہ۔128)
''وہ تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں''۔آپ پر اللہ تعالیٰ نے جو کتاب انسانوں کی ہدایت کیلئے نازل کی اس کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ o (بنی اسرائیل۔82)''اور ہم قرآن کے ذریعے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے''اور رحمت کے اس نظام میں داخل ہونے والے مومنین کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (الفتح۔29)
''وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں''۔حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بے پناہ محبت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ وُہ اپنی مخلوق کے ساتھ ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے اور آپ نے اہل ایمان کو ارشاد فرمایا کہ تم جنت میں نہیں جاسکتے جب تک مومن نہ بنو اور تم مومن نہیں ہوسکتے جب تک آپس میں محبت میں نہ کرو۔یہ ہے قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق اسلام کا مزاج اور اس کا رنگ۔اب بتایئے کہ دین رحمت کے گلشن کی پیار بھری فضاؤں میں غصہ ونفرت، بغض وعداوت، جبر وظلم، بدزبانی، گالی گلوچ، دل آزاری اور خون ریزی کے لئے کیا جگہ ہے؟ اُمت مسلمہ کے ہر فرد کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور حضور رحمۃ للعٰلمین ﷺ کے خلق عظیم کا نمونہ بن کر اہل جہان کے لئے باعث رحمت بن جانا چاہئے۔

فطرتِ مسلم سراپا شفقت است
خلق را دست وزبانش رحمت است

اتمام نور

اللہ تعالیٰ کے دین میں عقائد کی اصلاح ،ارکان اسلام کی پابندی، کثرت ذکر ،تزکیہ نفس، تصفیہ قلب کی ایک ہی غرض وغایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے قلب میں اپنی محبت کا جو نور ڈال رکھا ہے وہ کمال تک پہنچ جائے اور یہ مرحلہ عالم خاک ہی میں طے ہوسکتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس کے لئے بڑی عمدہ مثال دیتے ہوئے فرمایا۔

زندگانی ہے صدف اور قطرہ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا جو قطرے کو گہر کر نہ سکے

ابرنیساں سے برسنے والے قطرے میں موتی بننے کا جوہر موجود ہوتا ہے اور سیپ میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ اس قطرہ آب کو کچھ عرصہ کے لئے اپنی قید میں رکھ کر اسے آبدار موتی میں تبدیل کر دے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کا جوہر جسے خودی بھی کہہ سکتے ہیں ابر نیساں کے قطرے کی مانند بلندیوں سے زمین کے مادی صدف میں آ کر قید ہو جاتا ہے اگر اس عارضی قیام کے دوران خودی اپنے کمال کو پہنچ جائے تو یہ زندگی کامیاب ہوگئی ورنہ ناکام۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی اتباع اختیار کر لے تو آپ کے اسوہ حسنہ کی برکت سے اپنے مقصود حیات کو حاصل کر سکتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ مَنْ كَانَ يَرْجُوْ اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (الاحزاب۔21)

''تمہارے لئے اللہ کے رسول کی مثال بہترین نمونہ ہے جو اللہ سے ملاقات اور روز آخرت کی امید رکھتا ہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہو''

اس آیت مبارکہ میں حضور ﷺ کی حیات طیبہ کو اسوہ حسنہ فرمایا گیا ہے لیکن **من کان** کے الفاظ نے اسے ایک مخصوص گروہ انسانی کے لئے وقف کر دیا ہے اور اس کی صفات یہ بیان کی گئی ہیں کہ جو دنیا اور اس کی زینت کی دلدادہ ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کے طلب گار ہوں اور اللہ تعالیٰ سے شدید محبت رکھنے کے باعث اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والے ہوں۔ ایسے سچے طالبوں کے لئے متاع دنیا سے بے نیاز آپؐ کا انتہائی سادہ اور فقیرانہ طرز حیات اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل توکل، معراج انسانیت اور کمال عبدیت کا ایسا اعلیٰ وارفع نمونہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور نسل انسانی سبھی کو فخر ہے اور سب اُنؐ پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔ آپؐ انسانیت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز اور اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں۔ آپ کی ذات جامع کمالات ہے۔ جس مقصد کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا اسے کمال تک پہنچانے والی ہستی آپؐ ہی ہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عبادات کے لئے پیدا فرمایا اور مقام عبدیت ہی بلند ترین مرتبہ ہے اور صرف آپ ہی ''**عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ**'' کے خصوصی مقام پر فائز ہیں۔ اس کے بعد عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ کی

محبت کی امانت جوانسان نے اٹھائی تھی اس امانت کا حق ادا کرنے کا سہرا بھی آپؐ ہی کے سر ہےاور آپؐ ہی کو "اَلْاَمِیْــنُ" کا لقب عطا ہوا ہے۔اس کے علاوہ اولادِ آدم سے جو عہدِ الست لیا گیا تھا اس کو سچ کر دکھانے کا اعزاز بھی حضورﷺ ہی کو ملا اور اسی لئے آپ "الصَّــادِق" کہلوائے۔آپ ازل تا ابد بنی نوع انسان کے سردار ہیں اور آپ کی حیاتِ طیبہ سب کے لئے اسوہ حسنہ رہی ہے اور رہے گی۔آپ کی زندگی ہی سے انسان کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ کائنات میں اپنے مقام کو پہنچانے تاکہ اس کی نظر میں وسعت و رفعت پیدا ہو اور وہ مادی لذات، نفسانی خواہشات اور مال منال کی محبت کی بندھنوں سے چھٹکارا حاصل کر کے منزلِ کبریا کی طرف اپنی پرواز شروع کر سکے۔انسان کا اللہ تعالیٰ اور حیاتِ آخرت پر ایمان لانا نہ صرف حیاتِ ارضی کی ظلمتوں اور محدود مادی خوہشات سے اوپر اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی محبت کے سفر کا آغاز کرنا ہے۔بلکہ ایک طرح سے ظلمات کے پردوں کو پھاڑ کر اپنی اصل حقیقت کو پالینا بھی ہے۔

اے زخود پوشیدہ خود را بازیاب
در مسلمانی حرام است ایں حجاب

اے مسلمان تو اپنے اصل مقام سے آگاہ نہیں ہے تو اپنی حقیقت کو پہچاننے کے لئے جدوجہد کر اور غفلت و جہالت کے پردوں سے باہر نکل آ۔کیونکہ یہ پردہ دینِ اسلام میں حرام ہے۔

اہلِ ایمان کو متاعِ دنیا اور اس کے مکر و فریب کے اندھیروں سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی محبت کے نور کو کمال تک پہنچانے کے لئے جن خصوصی نوازشوں کا ذکر قرآن کریم میں کیا گیا ہے اب ان کا مختصر سا حال بیان ہوگا۔اس سے ظلمات سے نور کی طرف ہونے والے باطنی سفر اور اتمامِ نور کی جواہمیت دین میں ہے وہ نکھر کر سامنے آ جائے گی۔دینِ اسلام میں داخل ہونے کے لئے جن ہستیوں اور چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے وہ ہیں اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، اس کی کتابیں اور اس کے رسول اور انہی کی رحمت و برکت اور ہدایت سے اہلِ ایمان کے نور کا اتمام ہوتا ہے اور وہ دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔اب قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں ظلمات سے نور کی طرف طے ہونے والے روحانی اور باطنی سفر میں ان کے مبارک کردار کا ملاحظہ فرمائیں۔ (جاری ہے) (اقتباس از مقصودِ حیات)

نظام عالم ۔ وجود باری تعالیٰ

پیر خان توحیدی

کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے وہی خدا ہے

قرآنی آیات اور سائنسی مشاہدات سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس نظام کائنات کو بنے اربوں کھربوں سال گزر چکے ہیں۔لیکن اس میں کسی قسم کا تغیر وتبدل دکھائی نہیں دیتا۔ ہر جگہ ایک وقت اور ایک ہی قانونِ فطرت موجود ہے۔اِس میں نہ کوئی تبدیلی اور نہ کوئی کمی بیشی نظر آتی ہے۔سورج اُسی طرح مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں ڈوب جاتا ہے۔موسموں کا تغیر وتبدل رات دن کا ظہور ہونا بارش کا برسنا وغیرہ۔یہ سارے عمل اُسی طرح آج بھی ہو رہے ہیں۔جس طرح لاکھوں کروڑوں سال پہلے ہوا کرتے تھے۔اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ اِس کائنات کو بنانے والی۔اس کی دیکھ بھال کرنے والی اور اس کو چلانے والی کوئی طاقت ضرور ہے اور وہ خدا ہے۔یہ سب کچھ دیکھنے اور سمجھنے کے بعد بھی کچھ فلسفیوں، مادہ پرستوں، مفکروں اور ملحدوں نے یہ نظریہ قائم کر رکھا ہے کہ اِس کائنات کو پیدا کرنے والا کوئی نہیں یہ خود بخود بن گئی ہے اور خود بخود مٹ بھی جائے گی۔یہ لوگ قیامت کے بھی منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ انہیں قیامت پر اور نہ ہی اپنے اچھے یا برے اعمال کے جواب دہ ہونے پر یقین ہے۔حالانکہ اِس کائنات کو پیدا کرنے کا بڑا سبب انسان کو پیدا کرنا تھا اور انسان کو پیدا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس پر ذمہ داری کا بار ڈالا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ کس طرح اِس کو نبھاتا ہے۔اگر کسی امتحان، کسی محاسبہ، کسی باز پرس اور کسی جزا سزا کا کوئی سوال نہ ہوتا اور انسان کو یونہی بے نتیجہ مر کر مٹی ہی ہو جانا ہوتا تو پھر یہ سارا کارِ تخلیق بالکل ایک مہمل کھیل تھا۔اور نہ ہی کسی حیاتِ اُخروی کی ضرورت تھی۔

حیاتِ اُخروی کی ضرورت کا اثبات دراصل اِس سوال کے تصفیہ پر موقوف ہے کہ آیا یہ کائنات کسی حکیم کا فعل ہے یا بلا کسی حکمت کے آپ سے آپ بن گئی ہے۔مادہ پرست ملحدین و منکرین کا کہنا ہے کہ اِس نظام کو کسی صانع حکیم نے نہیں بنایا بلکہ یہ خود بخود بن گیا ہے۔اور اپنے آپ حرکت کرنے والی مشین کی طرح اپنے تمام اجزاء سمیت ''جن میں انسان بھی شامل ہے''

چل رہا ہے۔ مادہ اور توانائی کا باہمی تعلق جس روز ختم ہو جائے گا اِسی روز یہ نظام بھی درہم برہم ہو جائے گا۔ اِس میں کسی مقصدیت اور حکمت کی تلاش بالکل لا حاصل ہے۔ اِسی وجہ سے مادہ پرست سائنس نے آثارِ کائنات کی مقصدی تعلیل کو اپنے حدود سے نہ صرف خارج کر دیا ہے۔ بلکہ اِس طریق فکر کو سرے سے لغو و بے معنی قرار دیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ اِس کائنات اور اس کی کسی شے اور کسی فعل میں کوئی مقصد نہیں پایا جاتا۔ یہ محض غلط فہمی ہے کہ اشیاء کے طبعی افعال کو ان کا مقصد قرار دیا جاتا ہے اور ان کے وجود میں کسی حکمت اور کسی عقل کی جستجو کی جاتی ہے۔

اِس نظریہ کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو حیات دنیوی کے بعد کسی حیات اُخروی کی ضرورت کو تسلیم کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں رہتی کیونکہ جس کائنات کا نظام ایک اندھی بے عقل بے شعور طبیعت کے ہاتھوں کسی مقصد و غایت کے بغیر چل رہا ہو۔ اِس کی حیثیت ایک کھلونے سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ وہ اور اُس کی ہر شے عبث ہے۔ عبث بنی ہے اور عبث ہی فنا ہو جائے گی۔ اس پر اپنے اچھے یا برے فعل کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی چاہیے اور دنیا ہی میں عدل و انصاف اور جزا و سزا کا سوال منقطع ہو جاتا ہے کجا کہ اس کی خاطر ایک دوسری زندگی کی ضرورت کو تسلیم کیا جائے۔

یہ نظریہ نہ صرف سراسر خلاف عقل ہے۔ بلکہ اِس کی تائید میں جو کچھ کہا گیا ہے اِس کا لب لباب بس اتنا ہے کہ ہم کو اور کائنات کو پیدا کرنے والا اور چلانے والا نظر نہیں آتا ہم تو اس کو کسی بنانے والے کے بغیر ہی چلتا ہوا دیکھتے ہیں اور اس کے چلنے کا مقصد معلوم کرنا نہ ہمارے بس میں ہے اور نہ ہی اِس کے معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔

سارے فلاسفر اور سارے منکرین یہ تو کہتے ہیں کہ یہ کائنات حرکت پذیر ہے لیکن یہ نہیں مانتے کہ اس کا کوئی محرک ہے۔ جبکہ ہر متحرک چیز کو کسی محرک کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ایک امر مسلمہ ہے کہ تمام اجسام میں کسی نہ کسی قسم کی حرکت پائی جاتی ہے۔ مثلاً جسم بڑھتا ہے یا گھٹتا ہے یا اپنی اصلی حالت پر قائم رہتا ہے۔ پہلی دونوں صورتوں میں تغیر محسوس ہوتا ہے تیسری صورت بھی درحقیقت تغیر سے خالی نہیں۔ کیونکہ پرانے اجزاء فنا ہوتے اور ان کی جگہ نئے آتے رہتے ہیں۔ یہ دلیل کا پہلا مقدمہ ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جو چیز متحرک ہے اس کا کوئی محرک بھی ہو کیونکہ اگر کوئی خارجی محرک نہیں ہے تو یہ احتمال قائم ہو سکتا ہے کہ خود اِس شے کی ذات محرک ہو۔ لیکن یہ صحیح نہیں مثلاً یہ ظاہر ہے کہ انسان متحرک بالارادہ ہے اور اگر حرکت اس کی ذاتی ہو تو چاہیے کہ جس

کسی آدمی کے مقدم اجزاء جدا کر دیئے جائیں تو اصل جسم اور جدا شدہ اعضاء میں حرکت پائی جائے حالانکہ دونوں میں سے ایک میں بھی حرکت باقی نہیں رہتی جب یہ ثابت ہوا کہ ہر متحرک کے لئے کسی محرک کی ضرورت ہے تو ضروری ہے کہ تمام اجسام کا سلسلہ کسی ایسے وجود پر ختم ہو جو خود متحرک نہیں کیونکہ اگر وہ خود بھی متحرک ہو تو اس کیلئے بھی کسی محرک کی ضرورت ہو گی۔ اِس صورت میں غیر متناہی کا وجود لازم آئے گا اور یہ محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ محرک اول جو خود متحرک نہیں اور تمام اشیاء کی حرکت کا باعث ہے، اللہ ہے۔ اب جبکہ یہ ثابت ہو گیا کہ جو چیز متحرک ہے ضرور ہے کہ اِس کیلئے کوئی محرک ہو۔ اب دو صورتیں ہیں نمبر I یا تو یہ سلسلہ کسی حد تک جا کر ٹھہر جائے گا یعنی آخیر میں ایک ایسی چیز ثابت ہوگی جو بالذات یا بالواسطہ تمام اشیاء کی محرک ہے اور خود متحرک نہیں یہی اللہ ہے۔ نمبر II یا یہ سلسلہ کہیں ختم نہ ہوگا۔ اِس صورت میں غیر متناہی کا وجود لازم آئے گا۔ اور یہ قطعاً ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ ازلی ہے اِس کے وجود کی ابتدا نہیں۔ ہر زندہ اور مردہ چیز سے پہلے وہی ہے جسکی دوسری سادہ اور عام فہم دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ قدیم نہیں ہے تو حادث ہوگا اور اگر حادث ہے تو وہ بھی کسی دوسرے پیدا کرنے والے کا محتاج ہے۔ پھر دوسرا تیسرے کا اور تیسرا چوتھے کا علی ہذا القیاس۔ اِس سے ایک بے نہایت تسلسل پیدا ہو جاتا ہے اور یہ تسلسل سراسر ناممکن ہے۔ متسلسل شے حاصل نہیں ہوتی اور اگر حاصل ہوتی ہے تو اس طرح سے ہوتی ہے کہ ایک ایسے محدث یعنی پیدا کرنے والے پر نوبت پہنچے جو سب سے اول اور قدیم ہو اور اِسی سے ہماری غرض ہے اور یہ وہی ہے جس کو ہم عالم کا خالق، موجد، پیدا کرنے والا اور حادث کرنے والا کہتے ہیں اور وہ اللہ ہے۔

جو لوگ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اِس کائنات کا پیدا کرنے والا کوئی نہیں یہ خود بخود بن گئی ہے اور خود بخود مٹ جائے گی۔ اِن کی حالت اِس طفل سے کم نہیں جو کسی مطبع کی مشین کو چلتے ہوئے دیکھتا تو ہے لیکن اِس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اِس مشین کی غرض و غایت کیا ہے اور یہ کس مقصد کے تحت چلتی ہے۔ اِس بناء پر وہ خیال کرتا ہے کہ یہ محض ایک کھلونا ہے جو بلا کسی مقصد کے تحت چلتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ جس طرح اِس مشین سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ پرزے حرکت کرتے ہیں، زمین لرزتی ہے۔ اِسی طرح کاغذ بھی چھپ کر نکلتے ہیں۔ اِس کو یہ سمجھ نہیں آتی کہ تمام افعال جو اِس مشین سے صادر ہوتے ہیں ان میں صرف ایک فعل یعنی کاغذوں کا چھپ کر اس پوری مشین

کے بنائے جانے کا مقصد ہے اور باقی تمام افعال مشین کی حرکت کے طبعی نتائج ہیں۔ اِس کی طفلانہ نظر مشاہدہ کی اتنی قوت نہیں رکھتی کہ اِس مشین کے پرزوں میں ترتیب مناسبت اور نظم کو محسوس کر سکے اور یہ سمجھ سکے کہ اس کا ہر پرزہ جس صورت پر بنایا گیا ہے اور جس مقام پر لگایا گیا ہے وہی صورت وہی مقام اِس کیلئے موزوں ہے۔ اِس بناء پر وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ مشین یونہی لوہے کے چند ٹکڑوں کے مل جانے سے خودبخود بن گئی ہے۔ اِس کی عقل اتنی پختہ نہیں کہ وہ مشین کے افعال اور اِس کی ترتیب کو یہ قیاس کر سکے کہ اِس کا بنانے والا ضرور کوئی حکیم شخص ہونا چاہیے جس نے ایسے اچھے اندازے پر یہ مشین بنائی ہے جس کا کوئی پرزہ بے کار، غیر موزوں، بے ضبط اور بے ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ کہ ایسی حکمت اور دانائی سے جو چیز پیش کی گئی ہے وہ ہرگز بے مقصد اور عبث نہیں ہو سکتی۔ اگر پریس مشین کے اِس ناقص مشاہدے اور ناقص غور و فکر سے وہ نادان بچہ یہ نظریہ قائم کرے کہ نہ کوئی حکمت اِس کے بنانے میں صرف ہوئی ہے اور نہ کوئی حکیمانہ مقصد اِس کی صنعت میں پیش نظر ہے تو کیا کوئی عاقل اور سمجھ بوجھ والا آدمی یہ تسلیم کرے گا کہ اس بچہ نے مشین کی حقیقت کے بارے صحیح نظریہ قائم کیا ہے۔ اگر یہ بات ایک پریس مشین کے بارے میں درست نہیں ہے تو نظام کائنات کے بارے میں کیونکر درست ہو سکتی ہے۔ جس کا ایک ایک ذرہ اپنے بنانے والے کے علم، ارادے، حکمت اور بصیرت پر شہادت دے رہا ہے۔ جس کے متناسب نظام اور رضابطہ میں کہیں بھی کوئی فتور اور شک نظر نہیں آتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اعتراف انسان کی اصل فطرت میں داخل ہے۔ علم الانسان کے ماہرین نے اِس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ انسان جب فطری حالت میں تھا یعنی علوم وفنون۔ تہذیب وتمدن اور شائستگی کا بالکل وجود ہی نہ تھا اس وقت بھی اس نے اللہ تعالیٰ کی پرستش اختیار کی تھی۔ مشہور محقق میکس مولر لکھتا ہے کہ ہمارے اسلاف نے اس وقت اللہ تعالیٰ کے آگے سر جھکا دیا تھا جب وہ اللہ کا نام بھی نہ رکھ سکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جس زمانے سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے دنیا کے ہر حصہ میں اللہ تعالیٰ کا اعتقاد موجود تھا اور تمام کی تمام اقوام اللہ تعالیٰ کی قائل تھیں۔ انسان کو آغاز تمیز میں جن بدیہی اور حسی مقدمات کا علم ہوتا ہے اِن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کو مرتب باقاعدہ اور منظم دیکھتا ہے تو اِس کو یقین ہو جاتا ہے کہ کسی دانشمند نے اِن چیزوں کو ترتیب دی ہے۔ اگر کسی جگہ چند چیزیں بے ترتیب اِدھر اُدھر پڑی نظر آئیں تو یہ خیال آتا ہے کہ

شاید خودبخو دیہ چیزیں جمع ہوگئی ہونگی۔لیکن جب وہ اِس ترتیب اور سلیقے سے چنی گئی ہوں کہ ایک ہوشیار صناع بھی بمشکل اِس طرح چن سکتا ہے۔تو یہ خیال کبھی بھی پیدا نہیں ہوتا کہ یہ اشیاء خودبخو د ترتیب وار جمع ہوگئی ہونگی۔پھر کیونکر ممکن ہے کہ نظام عالم جو اِس قدر با قاعدہ اور خاص سلیقہ کے ساتھ مرتب وموزوں ہے وہ خودبخو د قائم ہوگیا ہو۔

آج جبکہ تحقیقات کی انتہا ہوگئی ہے۔کائنات کے سینکڑوں اسرار فاش ہو گئے ہیں حقائق اشیا نے اپنے چہرے سے نقاب اُلٹ دی ہے۔بڑے بڑے فلاسفر اور حکما غور وفکر کے بعد اللہ تعالیٰ کے ثبوت میں وہی استدلال پیش کر سکے جو قرآن نے چودہ سو سال پہلے نہایت قریب الفہم اور صاف طریقہ میں ادا کیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی کاریگری ہے جس نے اِس کائنات کو خوب پختہ طور سے بنایا اور خاص سلیقہ کے ساتھ مرتب وموزوں کیا کہ تم کو کہیں بھی کوئی فرق نظر نہ آئے گا پھر دوبارہ دیکھو بار بار دیکھو تو تمہیں کہیں بھی کوئی خرابی یا کوئی دراڑ نظر نہ آئے گی۔باوجود ان کھلے نشانات کے جو شخص کائنات کے ظہور اور تخلیق کو محض ایک اتفاق سمجھتا ہے اور اپنے خیال پر فخر کرتا ہے کہ یہ کائنات خودبخو د پیدا ہوگئی اور کوئی اِس کا پیدا کرنے والا بنانے والا نہیں ہوسکتا تو یہ اس کے فتورِ عقل کی دلیل ہے جبکہ ایک چھوٹا سا کمرہ بھی خودبخو د مرتب نہیں ہوسکتا تو اتنی بڑی کائنات جس کی ایک ایک چیز میں اِس قدر سلیقہ، نظم اور ترتیب پائی جاتی ہے وہ خودبخو د کیسے پیدا ہوگئی۔صبح و شام کی گردش ہواؤں کا چلنا بادلوں کا گرجنا بارشوں کا برسنا موسموں کا اُلٹ پھیر سورج کی چمک چاند کی کشش،سمندر کا مدو جزر یہ ساری چیزیں صانع اور خالق کے حسن وصفت اور خوبیٔ تخلیق کی کھلی نشانیاں اور شہادتیں ہیں کائنات کی اِن اشیاء پر جتنا غور کیا جائے اتنا ہی خالق کائنات کے وجود کا زیادہ وثوق اور شدت کے ساتھ یقین ہوتا جائے گا اور یہ ماننا پڑے گا کہ کوئی تو ہے جو نظام ہستی چلا رہا ہے۔وہی خدا ہے۔

دنیا میں بڑے بڑے سائنسدان بڑے بڑے حکماء اور بڑے بڑے فلاسفر ہوگزرے ہیں لیکن گھاس کو دودھ میں تبدیل کرنے کا راز کوئی بھی دریافت نہ کرسکا۔سرسوں کے دانے کی بساط ہی کیا ہے جو زمین کے سخت پردے کو چیرتا ہوا نرم ونازک سبزی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔سورج کی کرنیں،شبنم کی بوندیں اس کی پرورش کرتی ہیں ہوا کے جھونکے اِس نازک ترین پودے کو جھولا جھلا کر پروان چڑھاتے ہیں۔یہ سارے اسباب جو اِس پودے کی نشوونما کیلئے جمع ہوئے انہیں

محض اتفاق نہیں کہا جا سکتا۔ اِن عوامل کے پیچھے یقیناً کوئی ہاتھ ضرور ہے اور وہ قوت وہ طاقت اللہ ہی ہے۔ کسی شاعر نے کائنات اور خالقِ کائنات کے بارے اپنے ایک ہی شعر میں سارے مسئلوں، ساری اُلجھنوں اور سارے ابہام کا حل اس طرح پیش کیا ہے۔

یہ سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

کائنات کا ہر ذرہ نہایت ہی بہتر نظم اور ترتیب یافتہ نظام کے ماتحت پرورش پا رہا ہے۔ سورج کے طلوع اور غروب کا ایک خاص وقت مقرر ہے۔ ہوائیں ایک خاص ترتیب کے ساتھ مخصوص موسموں میں پانی کو بادلوں کی صورت میں اُٹھا مینہ کی شکل میں برساتی ہیں پھولوں کے کھلنے اور سبزے کے لہکنے کے خاص اوقات مقرر ہیں ہر خطہ اور ہر ملک کے ماحول کے مطابق انسانوں اور جانوروں کو پیدا کرنا ان کی غذا اور لباس کا بندوبست کرنا زمین و آسمان کی تخلیق لیل و نہار کی گردش حشرات الارض کا پیدا ہونا یہ سارا نظام بغیر کسی منتظم، حکیم، علیم و بصیر ہستی کے کیسے ظہور میں آ سکتا ہے۔ زمانے کا سب سے بڑا مادہ پرست حکیم ہربرٹ سپنسر کہتا ہے کہ تمام اسرار جن پر ہم جس قدر زیادہ غور کرتے ہیں اِسی قدر وہ اور زیادہ گہرے اور سمجھ سے بالاتر ہوتے جاتے ہیں۔ اِس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انسان اور تمام نظام عالم کے اوپر کوئی ازلی ابدی قوت موجود ہے جس سے یہ ساری اشیاء صادر ہوتی ہیں۔ پروفیسر لیٹی کہتا ہے کہ اللہ قادر اپنی عجیب کاریگریوں سے میرے سامنے اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ میری آنکھیں کُھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں اور میں بالکل دیوانہ بن جاتا ہوں ہر چیز میں گو وہ کتنی ہی چھوٹی ہو۔ اِس کی کس قدر عجیب حکمت اور کس قدر عجیب ایجاد پائی جاتی ہے۔ راسن کہتا ہے اے آسمانو مجھ کو خبر دو۔ اے لامحدود ستارو تم بولو کہ کونسا ہاتھ ہے جس نے تم کو اُفق میں تھام رکھا ہے۔ اے شب چہاردہم کس نے تیری روشنی کو خوبصورت بنا دیا ہے۔ اے پُر رُعب مہیب سمندر کس نے تجھ کو محبوس کر رکھا ہے، اے بادلو بتاؤ تم کس طرح سمندر سے پانی حاصل کر کے اسے اُٹھاتے پھرتے ہو اور اے قطبی ستارے تمہیں کونسی طاقت ایک ہی مقام پر ثابت رکھتی ہے جبکہ باقی تمام اجرام فلکی کو گردش میں لے آتی ہے اور اے ستارو تمہیں کونسی طاقت ایک مقررہ رفتار پر عرصہ دراز سے چلا رہی ہے۔

نظامِ عالم میں سینکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ بے شمار قوانین قدرت ہیں لیکن اگر ان میں سے

ایک بھی باہمی توافق وتوازن کے مرکز سے ذرہ ہٹ جائے تو تمام نظام عالم درہم برہم ہو جائے یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ کوئی اور بالاتر قوت ہے جس نے ان تمام قوانین توافق وتوازن وتناسب وغیرہ میں ربط واتحاد قائم کر رکھا ہے اور وہ اللہ ہے۔

حکایت:۔ ایک بڑھیا چرخہ کات رہی تھی کسی ملحد کا اِس طرف گزر ہوا اُس نے بڑھیا سے اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی معقول ثبوت مانگا۔ بڑھیا نے چرخہ چلانا چھوڑ دیا اور ملحد سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ یہ چرخہ کیوں نہیں چلتا ملحد نے فوراً جواب دیا کہ تم نے چرخہ چلانا چھوڑ دیا ہے۔ پھر یہ کیسے چلے گا بڑھیا نے کہا جب ایک چرخہ بھی بغیر کسی چلانے والے کے نہیں چل سکتا تو اس قدر عظیم نظام قدرت اور اتنی بڑی کائنات زمین وآسمان، سورج، چاند، ستارے وغیرہ کسی چلانے والے کے بغیر کس طرح چل سکتے ہیں۔

اِن مکرر و ناطق مشاہدات کے ہوتے ہوئے ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو کہتے ہیں تمام عجائبات محض اتفاق کے نتائج ہیں یا بالفاظ دیگر یوں کہتے ہیں کہ مادہ کی عام خاصیت کے نتائج ہیں۔ یہ فرضی احتمالات وعقلی گمراہیاں جن کو لوگوں نے علم المحسوسات کا لقب دیا علم حقیقی نے ان کو بالکل باطل کر دیا ہے قرآن بار بار اپنے مخاطب کو اللہ کی وحدانیت اور توحید کی یاد دلاتا ہے۔ کہتا ہے کہ کیا آسمان وزمین کی پیدائش رات دن کے بدلنے میں عقلمندوں کیلئے نشانیاں نہیں ہیں۔ کیا زمین میں جو کچھ تم بوتے ہو اِس کو دیکھتے ہو۔ اِس بیج کو تم اُگاتے ہو یا اِس کے اُگانے والے ہم ہیں۔ کیا تم اِس پانی کو دیکھتے ہو جسے تم پیاس بجھانے کیلئے پیتے ہو کیا اِس کو سفید بادلوں سے تم اُتارتے ہو یا اِس کے اُتارنے والے ہم ہیں۔ کیا یہ آگ جسے تم دیکھتے ہو اس کو تم پیدا کرتے ہو یا ہم ہیں اِس کو پیدا کرنے والے اِس طرح اور بھی بے شمار آیات قرآنی ہیں جو عقلمندوں کیلئے عالم کائنات کو چلانے اور وجود باری تعالیٰ کی کھلی نشانیاں ہیں۔ غرضیکہ ذات باری تعالیٰ کا اجمالی اعتراف تمام مذاہب اور تمام انسانوں میں پایا جاتا ہے۔ اِس بناء اسلام نے اِس مسئلہ پر چنداں زور نہیں دیا۔ کیونکہ اسلام میں توحید ہی سب سے ضروری اور اہم چیز ہے جبکہ دوسرے مذاہب میں یا تو سرے سے توحید تھی ہی نہیں اور اگر تھی تو کامل نہ تھی اِسی بنا پر کلام مجید میں بار بار کہا گیا ہے کہ کفار کو بھی اللہ کا انکار نہیں۔ انہیں جو وحشت ہے وہ صرف توحید سے ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جن اسباب سے اللہ کے وجود کا یقین ہوتا ہے وہی اسباب اِس بات کے بھی شاہد

ہیں کہ اللہ ایک ہی ہے۔نظام عالم بظاہر کثیر الاجزا میا کثیر الافراد ہے لیکن سب مل کر ایک ہے یعنی اِس کل کا ایک ایک پرزہ دوسرے سے اِس قدر روابستہ ہے کہ وہی ایک شخص اس کو چلا سکتا ہے جو تمام پرزوں کا موجب اور ان کے باہمی تناسب کا محافظ و نگراں ہو۔اِس دلیل کو قرآن نے اِس طرح ادا کیا ہے کہ اگر آسمان اور زمین میں کئی معبود ہوتے تو نظام عالم بگڑ جاتا۔اللہ تعالیٰ کے اقرار و اعتراف کا دل پر جو اخلاقی اثر پڑتا ہے۔وہ توحید کامل کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔اطاعت توکل اور اخلاص کی حالت اُسی وقت دل پر طاری ہو سکتی ہے جب یہ خیال ہو کہ ہماری حاجتوں تمام ضرورتوں۔تمام امیدوں اور تمام خواہشوں کا ایک ہی مرکز ہے یہ اوصاف توحید کامل کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتے۔اِس لحاظ سے ہم توحیدی بھائی بڑے خوش نصیب ہیں اور اپنے مرشد و ہادی بانی سلسلہ توحیدیہ جناب عبدالحکیم انصاری رحمۃ اللہ علیہ کا جتنا بھی شکر یہ ادا کریں کم ہے۔جنہوں نے ہمیں توحید کی تعلیم دے کر ہمارے یقین اور ہمارے عقیدہ کو اللہ کی وحدانیت پر پختہ سے پختہ تر بنا کر احسان فرمایا۔

جہاں اِس صانع مطلق کی صنعت کے کارخانے عجیب ہیں وہاں اِس کو عجیب کہنے والا انسان خود سب سے بڑا عجوبہ روزگار ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ خدا کا سب سے بڑا ثبوت اِس کی مخلوق ہے۔اِس صانع حقیقی کے بے شمار قدرتیں حیرت خیز اور حیرت انگیز ہیں لیکن یہ خاک کا پتلا ان سب سے بڑھ کر حیرت میں ڈالنے والا ہے۔اِس کی بناوٹ میں اِس صناع حقیقی نے اپنی صناعی کا کمال دکھایا ہے۔اِسے ایک انتہائی باریک خورد بینی وجود سے بڑھا کر اسے پوری شکل تک پہنچایا اور اِس کا جسم سارے اعضاء و جوارح کے ساتھ مکمل کر دیا۔انسانی جسم کیا بناوٹ کی خوبی کے لحاظ سے کیا لطافت اور باریکی کے لحاظ سے اپنا وجود آپ ہے۔اِنسانی جسم بذات خود ایک کائنات ہے۔سائنسی انکشافات سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس کا اپنا ایک مواصلاتی نظام ہے جس کا مرکز اِنسانی دماغ ہے جس کے اندر تقریباً ایک ہزار ملین عصبی خانے ہیں ہر خانے سے بہت باریک تار نکل کر جسم کے اندر پھیلے ہوئے ہیں۔جن کو عصبی ریشے کہتے ہیں انہی اعصاب کے ذریعے ہم سنتے ہیں، دیکھتے ہیں، چکھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں زبان میں تقریباً تین ہزار ذائقے خانے ہیں کان میں ایک لاکھ سماعتی خانے ہوتے ہیں۔آنکھ میں تقریباً ایک سو تیس ملین لائیٹ ریسیٹرز ہوتے ہیں اور یہ سارے کے سارے دماغ سے جڑے ہوتے ہیں۔اِسی طرح جسم کے دوسرے حصوں

میں بھی دماغ تک خبریں پہنچانے کا نظام قائم ہے اِس مواصلاتی نظام پر رات دن کروڑوں خبریں اِدھر سے اُدھر دوڑتی رہتی ہیں جو دل کو بتاتی ہیں کہ وہ کب دھڑکے مختلف اعضاء کو حکم دیتی ہیں کہ وہ کب حرکت کریں اس سارے نظام میں ایک زبردست ربط اور تسلسل قائم رہتا ہے۔اِس طرح کے بے شمار پہلو اور بھی ہیں جن کی ہمیں خبر تک نہیں ہوتی آخر یہ نظام کون چلا رہا ہے کون اِس کی دیکھ بھال کرتا ہے؟ کیا یہ سب کچھ خود بخود ہو رہا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں اِس کو چلانے والا اِس کی دیکھ بھال کرنے والا ضرور کوئی ہے اور وہی خدا ہے۔

اِسی طرح اِس کائناتی نظام کیلئے ایک ناظم کا اقرار ناگزیر ہے بلکہ یہ غیر معقول رویہ ہوگا کہ ہم اِس تنظیم کے ناظم کو ماننے سے انکار کر دیں۔حقیقت ہے کہ انسان کے پاس کوئی عقلی دلیل ہے ہی نہیں کہ وہ خدا کا انکار کرے۔کوئی شخص بھی دہریت اور انکارِ آخرت کے عقائد یقین کی بناء پر اختیار نہیں کرتا۔اور نہیں کر سکتا اِس لئے کہ یقین صرف علم سے ہوتا ہے اور کسی شخص کو بھی یہ علم حاصل نہیں ہے کہ خدا نہیں ہے۔ایک ملحد جنگل میں کسی وحشی آدمی کا نقش قدم دیکھتا ہے تو آدمی کے ہونے کا اِس کو یقین ہوتا ہے گو پہلے سے وہاں اِس کی صورت تک نہ دیکھی ہو لیکن خالق اکبر کے دستِ قدرت کے نشاں سارے عالم پر منقش دیکھ کر اُس کا یقین نہ کرے تو اُس کی کم عقلی کا ثبوت اور کیا ہوگا۔اگر اللہ تعالیٰ کے ہونے اور نہ ہونے کے دلائل ہم وزن بھی ہوں تو بھی اللہ تعالیٰ کے نہ ماننے میں جو بھاری پریشانیاں اور خوف ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ماننے کی صورت میں بالکل نہیں۔اگر بخیالِ ملحد اللہ نہ ہو تو ماننے والا اور نہ ماننے والا ہر دو برابر ہیں۔لیکن اگر اللہ ہے اور ضرور ہے تو پھر کہنے کی ضرورت نہیں کہ ملحد کی جان پر کیا گزرے گی۔

ماہر ارضیات کا کہنا ہے کہ زمین اپنی جسامت کے لحاظ سے کائنات میں ایک ذرے کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی لیکن اِس کے اوپر حیرت انگیز طور پر وہ حالات مہیا ہیں جو اِس وسیع کائنات میں کہیں اور نہیں پائے جاتے اِس زمین کو ایک خاص توازن کے ساتھ قائم کر کے انسانی زندگی کی بقاء کیلئے موزوں بنایا گیا ہے۔زمین جو اپنے محور پر چوبیس گھنٹے میں ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہی ہے اگر یہ سپیڈ بڑھ کر دو ہزار میل فی گھنٹہ یا گھٹ کر دو سو میل فی گھنٹہ ہو جائے تو اِس زمین پر بسنے والی مخلوق کی زندگی اجیرن ہو جائے ماہر فلکیات کہتے ہیں کہ دنیا کے تمام سمندروں کے کنارے ریت کے جتنے ذرے پائے جاتے ہیں اِسی قدر آسمانوں میں ستارے

موجود ہیں۔اِن میں کچھ ستارے ایسے ہیں جو زمین سے کسی قدر بڑے ہیں۔مگر بیشتر ستارے اتنے بڑے ہیں کہ ان کے اندر لاکھوں زمینیں رکھی جاسکتی ہیں۔ستاروں کی یہ لاتعداد گنتی غیر معمولی رفتار سے مسلسل تنہا اور مجموعوں کی صورت میں حرکت کرتی ہے لیکن یہ حرکت نہایت منظم اور با قاعدگی سے ہو رہی ہے اِن میں کوئی ٹکراؤ ہوتا ہے اور نہ ہی رفتار میں کوئی فرق پڑتا ہے۔اِس عظیم اور حیرت انگیز تنظیم کو دیکھ کر عقل کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اِس نظام کے پیچھے کوئی غیر معمولی طاقت ضرور ہے اور وہ اللہ ہے۔

ایک ملحد ہمیشہ نظام قدرت اور حکمت الٰہی پر معترض رہتا تھا ایک روز اُس کا گزر تربوز کے کھیت میں سے ہوا۔چھوٹی چھوٹی بیلوں پر بڑے بڑے تربوز دیکھ کر قدرت کی اِس نامناسبت و ناموزونیت پر ہنسا آگے بڑھا تو آموں کا ایک باغ آیا بڑے بڑے تناور درختوں پر چھوٹے چھوٹے آم دیکھ کر نظام قدرت میں اصلاح کرنے لگا کہ بلحاظ جسامت آم کا چھوٹا چھوٹا پھل تربوزوں کی بیلوں میں اور تربوزوں کا پھل آم کے درختوں پر لگتا تو یہ نہایت موزوں ہوتا وہ اِس مسئلہ پر آم کے پھلوں پر ٹکٹکی لگائے غور کر رہا تھا کہ طوطے نے ایک آم کترا جو گر کر ملحد کی آنکھ پر لگا آنکھ پھوٹ گئی اور سخت تکلیف اُٹھانی پڑی۔وہ ملحدانہ خیالات سے تائب ہو کر فوراً سجدہ شکر بجالایا کہ اگر میری اصلاح کے مطابق اِس پر تربوز لگے ہوتے تو جان کی بھی خیر نہ تھی۔

آخر میں ایک تاریخی واقعہ بیان کر کے مضمون کو اختتام پذیر کرتا ہوں۔ایک ملحد مادہ پرست خلیفہ ہارون الرشید کے پاس حاضر ہوا اور کہا اے امیر المومنین تیرے عہد کے علماء مثلاً امام ابوحنیفہؒ نے اِس پر اتفاق کیا ہے کہ اِس دنیا کا کوئی خالق ضرور ہے اور اِس کائنات کے نظام کو چلانے والی کوئی ہستی موجود ہے۔اِن میں سے جو عالم فاضل ہو اُسے یہاں حاضر ہونے کا حکم دیا جائے تا کہ میں تیرے سامنے اِس کے ساتھ بحث کروں کہ تمہارے علماء کا خیال درست نہیں اور اِس دنیا کا کوئی بنانے والا نہیں یہ خود بخود بنی ہے اور خود بخود ہی سارا نظام چلا جا رہا ہے۔چونکہ امام ابوحنیفہؒ تمام علماء سے افضل تھے اِس لئے خلیفہ نے آپ کے پاس پیغام بھیجا اور کہا کہ ہمارے ہاں ایک مادہ پرست آیا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ اِس کائنات کا صانع کوئی نہیں اور آپ کو مناظرے کی دعوت دیتا ہے۔امام صاحب نے فرمایا کہ ظہر کے بعد آؤنگا۔ملحد کو بھی اطلاع کر دی۔مناظرہ دیکھنے کیلئے خلیفہ ہارون الرشید بمع اپنے مصاحبوں اور عوام کی ایک بڑی تعداد کے جمع ہو گئے۔ملحد

بھی مقررہ وقت پر پہنچ گیا۔لیکن امام صاحب کو مقررہ وقت پر پہنچنے میں تاخیر ہوگئی ملحد نے شور مچانا شروع کردیا کہ امام جھوٹا ہے خلیفہ جو بمع اپنے اُمراو روٗسا موجود تھے سخت پریشان ہوئے کہ اتنے میں امام صاحب تشریف لے آئے۔امام صاحب کو ایک بلند مقام پر بٹھایا گیا اور مناظرہ شروع ہوگیا۔ملحد نے سب سے پہلے یہ سوال کیا کہ اے امام ابوحنیفہؒ آپ نے آنے اتنی دیر کیوں کی جبکہ ایک کثیر تعداد میں لوگ آپ کا انتظار کررہے تھے۔امام صاحب نے جواب دیا کہ مجھے ایک عجیب بات پیش آگئی تھی جسکی وجہ سے دیر ہوگئی وہ یہ کہ میرا گھر دریائے دجلہ کے اُس پار ہے۔میں اپنے گھر سے نکلا اور دجلہ کے کنارے پہنچا تو دریا میں طغیانی تھی۔میں دجلہ کو عبور کرنے کی سوچ میں اِدھر اُدھر چکر لگانے لگا کہ میری نظر ایک پرانی شکستہ کشتی پر پڑی جس کے تختے اِدھر اُدھر بکھرے پڑے تھے۔جونہی میری نگاہ ان شکستہ اور بکھرے ہوئے تختوں پر پڑی ان میں اضطراب پیدا ہوا اور وہ اکٹھے ہوکر ایک دوسرے میں پیوست ہوگئے اور بغیر کسی بڑھئی کے ایک سالم کشتی تیار ہوکر میرے سامنے آگئی میں اِس میں بیٹھا کشتی چل پڑی اور بغیر کسی ملاح کے دریا کو عبور کیا اور یہاں پہنچ گیا۔ملحد نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور بولا اے لوگو ذرہ سنو جو کچھ تمہارا پیشوا تمہارا امام کہہ رہا ہے۔کیا تم لوگوں نے اِس سے زیادہ جھوٹی بات کبھی سنی ہے کہ ایک شکستہ کشتی کسی بڑھئی کے بغیر بن گئی اور کسی ملاح کے بغیر چل پڑی۔یہ تو سراسر جھوٹ ہے جو تمہارا فاضل ترین عالم بول رہا ہے۔امام صاحب نے فرمایا اے ملحد،اے کافر مطلق کسی کاریگر اور بڑھئی کے بغیر ایک چھوٹی سی کشتی بن نہیں سکتی اور نہ کسی ملاح کے بغیر خودبخود چل کر دریا عبور کرسکتی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اِس قدر عظیم نظام دنیا اور اتنی بڑی کائنات بغیر کسی چلانے والے کے چل سکے۔تو صانع کی نفی کا کیسے قائل ہوگیا۔دہریہ یہ جواب سن کر خالق کائنات کا معتقد ہوکر مسلمان ہوگیا۔

حاصل کلام:۔ انسان ملحدانہ زیست تو بسر کرسکتا ہے لیکن دل میں ملحد نہیں ہوسکتا۔حکماء کہتے ہیں کہ دنیا میں کسی ایسے ملحد کا وجود نہیں جس کو یہ یقین کامل ہو کہ اللہ نہیں ہے۔آخر میں یہی کہنا پڑے گا۔

کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے وہی خدا ہے وہی خدا ہے

تحریک آزادی نسواں پر اقبالؒ کی تشویش

تحقیق و تجزیہ: ڈاکٹر عبدالغنی فاروق

چند روز پہلے علامہ اقبالؒ کی بہو اور ڈاکٹر جاوید اقبال کی بیگم محترمہ ناصرہ اقبال نے کہا ہے کہ بنگلہ دیش کی طرح پاکستان میں بھی برقعہ پہننے پر پابندی عائد کر دینی چاہیے۔ اُنہوں نے عجیب بات کہہ دی کہ برقعہ ہندوؤں کا کلچر ہے۔

اِس کے برعکس مستند حوالوں سے یہ بات ثابت کی جا سکتی ہے کہ موصوفہ محترمہ کے جلیل القدر سُسر اور بے مثال مفکر و شاعر حکیم الامت علامہ اقبالؒ خواتین کے لئے چہرے کے پردے کے قائل تھے اور مرد و زن کی مخلوط محفلوں کے مخالف تھے۔ یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے کہ اقبال کو انگریزوں نے جنوبی افریقہ میں ہائی کمشنر کے عہدے کی پیشکش کی۔ مگر شرط یہ رکھی کہ اُن کی اہلیہ کیلئے مخلوط محفلوں میں شمولیت لازمی ہوگی۔ اقبال نے اِس شرط کو قبول نہ کیا اور یہ پیشکش مسترد کر دی۔

ذیل میں تحریک آزادیٔ نسواں کے حوالے سے اقبال کے نظریات وعقائد کی تفصیل پیش کی جا رہی ہے۔

یورپی قومیں مذہب سے آزاد ہو کر گویا ہر بند سے آزاد ہو گئیں۔ اُنہوں نے شرم و حیا کے فطری تقاضوں کو مکمل طور پر دبا دیا اور عیش پرستی کو زندگی کا مقصودِ اول بنا لیا۔ ظاہر ہے عورت کو اِس سلسلے میں بنیادی آلہ کار کی حیثیت دی گئی، اِس لئے پوری کوشش کی گئی کہ وہ جسمانی حسن و دلکشی کی علامت بن جائے اور شمعِ محفل بن کر ہر شخص کا دل لبھاتی رہے، لیکن چونکہ خودغرضی اور بے مروتی مغربیت کا لازمی شعار ہے اِس لئے ظلم یہ کیا گیا ہے کہ عورت کی سادہ لوحی سے فائدہ اُٹھا کر اِسے زیادہ سے زیادہ عریانی و فحاشی کا پیکر بنایا گیا، مگر اِسی نسبت سے اِسے وقار اور تحفظ کے سارے وسائل سے محروم کر دیا گیا۔ بحیثیت ماں، بیوی، بیٹی یا بہن ان کی کوئی عزت نہ رہی۔ جوانی میں وہ بیک وقت کئی مردوں کی تفریح کا سامان بنتی ہے۔ اپنے روزگار کا انتظام بھی خود کرتی ہے، یعنی اپنی نازک جسمانی ساخت کے باوصف دفتر یا کارخانے میں مردوں کے برابر کام بھی کرتی ہے۔ اِس طرح خاندانی نظام درہم برہم ہونے کی وجہ سے وہ اپنی ممتا کو دبا کر بچوں سے

بے نیاز رہنے پر مجبور ہوتی ہے اور اس کا بڑھاپا کسمپرسی اور بے بسی کی حالت میں گزرتا ہے۔

چنانچہ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ یورپ نے یوں تو پوری انسانی دنیا پر نا قابل بیان مظالم توڑے ہیں، مگر سب سے زیادہ ظلم واستحصال کا شکار عورت بنی ہے۔ اِس سے بڑا ظلم اور کیا ہوسکتا ہے کہ شدید ٹھنڈے موسم میں مرد تو تھری پیس سوٹ پہنتا ہے، مگر عورت کو محض سفلی جذبات کی تسکین کیلئے 'منی سکرٹ میں دیکھنا چاہتا ہے۔ شمالی یورپ کے ممالک کی ائر ہوسٹسوں نے تو با قاعدہ احتجاج بھی کیا ہے کہ انہیں فضا کی بلندیوں میں شدید سردی محسوس ہوتی ہے، اِس لئے سکرٹ کے بجائے انہیں گرم پاجامے پہننے کی اجازت دی جائے مگر وہاں کے مرد کی سنگ دلی پر اِس فریاد کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اِس کے نتیجے میں تو عورت کا تو ظاہر ہے تقدس تباہ ہونا ہی تھا، مگر اِس کا وبال سارے معاشرے پر پڑا۔ آزاد اور مخلوط سوسائٹی کے نتیجے میں حرامی بچوں کی غیر معمولی کثرت، طلاقوں کی بھرمار، ان گنت نفسیاتی مسائل، بے شمار جنسی بیماریاں، خودکشیاں اور ہمہ نوع خاندانی اور سماجی ابتری نے یورپ کو حیوانوں کی سطح سے بھی بہت نیچے گرا دیا ہے اور یہ تہذیب تاریخ اور انسانیت دونوں کیلئے سرطان سے بھی خطرناک بیماری کی صورت اختیار کر گئی ہے۔

یورپ والوں نے نہایت عیاری اور بدنیتی کے ساتھ کوشش کی کہ ایشیا اور افریقہ خصوصاً اسلامی دنیا میں بھی عورت کو ویسی ہی آزادی مل جائے جیسی یورپ نے اپنے ہاں کی عورتوں کو دی ہے۔ تاکہ مسلمان بھی عیاش و بے حیاء ہو جائیں اور ان کی روایتی خصوصیات یعنی شجاعت و مردانگی حمیت وایثار، مروت اور خدا خوفی جو زوال کے سائے میں پڑی سورہی تھیں اور کسی وقت بھی بیدار ہوسکتی تھیں بے ہوشی کی حالت میں دم توڑ جائیں۔۔۔ تاکہ وہ یورپ کی غلامی کے شکنجے سے بھی کبھی رہائی نہ پاسکیں۔

اِس سلسلے میں پوری اسلامی دنیا میں آزادی نسواں کی تحریکیں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ ظاہر ہے یہ سب کچھ مغربی حکمرانوں، دانشوروں اور سیاست کاروں کے سوچے سمجھے منصوبے سے ہو رہا تھا۔ نام نہاد مغرب پرست طبقے نے اِن تحریکوں کی کھل کر حمایت کی اور پروپیگنڈا یہ کیا کہ مسلمانوں کے معاشرے میں عورتوں پر ظلم ہوتا ہے، اِسے مرد سے پست سمجھا جاتا ہے گھر کی چار دیواری میں بند کر کے اس کی صلاحیتوں کو اُبھرنے کا موقع نہیں دیا جاتا اور عدم مساوات اور استحصال کا نشانہ بنایا جاتا

ہے۔ستم ظریفی یہ تھی کہ یہ لوگ جو عموماً گروہِ مترفین سے تعلق رکھتے تھے، عورتوں کو اسلامی قوانین کے تحت اپنی جائیدادوں میں تو حصہ دار بنانے پر آمادہ نہ تھے، مگر محض اپنے سفلی جذبات کو تسکین دینے اور خوئے غلامی کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے عورتوں کو بے حجاب بنانے پر تل گئے۔

اقبال نے اس صورت حال کو تشویش کی نظر سے دیکھا اور آزادیٔ نسواں کی اس تحریک کے سامنے بند باندھنے کا تہیہ کر لیا۔"ضربِ کلیم" میں عورتوں کی آزادی یا بے راہروی کا ذمہ دار وہ جدت پسند مردوں کی حماقت اور ناعاقبت اندیشی کو قرار دیتے ہیں۔"ضربِ کلیم" کے اشعار ہیں۔

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا
مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

اقبال کے نزدیک عورت کا اصل مقام اس کا گھر ہے۔وہ مرد کو اس کے اخراجات کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ان کے نزدیک عورت کو چراغِ خانہ بن کر رہنا چاہیے۔چراغِ محفل بنے گی تو مرد کی مردانگی پر حرف آئے گا۔"ضربِ کلیم" میں فرماتے ہیں۔

نے پردہ نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

اِسی نقطۂ نظر کو اُنہوں نے ایک مضمون میں پیش کیا ہے جو ۱۹۳۳ء میں "لورپول پوسٹ" لندن میں شائع ہوا تھا۔مشرق اور مغرب میں خواتین کی حیثیت پر لکھتے ہوئے وہ کہتے ہیں:۔

(بحوالہ "تجلیاتِ اقبال"صفحہ 111)

"میں اس خیال سے لرزہ براندام ہو جاتا ہوں کہ عورتیں قوتِ لایموت کا خود بندوبست

کریں اس طرزِ عمل سے نسائیت کا جوہر تباہ و برباد ہو جائے گا‘‘۔

اقبال نے مثنوی اسرار و رموز، جاوید نامہ، ارمغانِ حجاز اور ضربِ کلیم میں متعدد مقامات پر معاشرے میں عورت کی حیثیت و اہمیت اور اِسکے تقدس و احترام پر اظہار خیال کیا ہے وہ عورت کے معاملے میں یورپ کے طرزِ عمل پر بہت پریشان ہیں اور وہاں کی مخلوط سوسائٹی اور مخلوط تعلیم کو نفرت و بیزاری کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ’’ضرب کلیم‘‘ میں کہتے ہیں۔

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اِسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسہ زن
ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت

اور تہذیب مغرب نے جس طرح عورت کو اس کے گھر سے نکال کر زبردستی اس کے بچوں سے دور یا محروم کر کے اِسے کارخانوں اور دفتروں میں لا بٹھایا ہے، اس پر اقبال ’’خردمندانِ مغرب‘‘ کو یوں شرمندہ کرتے ہیں۔ (ضرب کلیم)

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہند و یوناں ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بیکار و زن تہی آغوش

اقبال عورتوں کی بے جا آزادی کے مخالف تھے اور اِسے شمع محفل کی بجائے چراغِ خانہ دیکھنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں فقیر سید وحید الدین روایت کرتے ہیں۔

’’ایک مرتبہ کہنے لگے کہ جس قوم نے عورتوں کو ضرورت سے زیادہ آزادی دی وہ کبھی نہ کبھی ضرور اپنی غلطی پر پشیمان ہوئی ہے۔ عورت پر قدرت نے اتنی اہم ذمہ داریاں عائد کر رکھی ہیں کہ اگر وہ ان سے پوری طرح عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرے تو اِسے کسی دوسرے کام کی فرصت ہی نہیں مل سکتی۔ اگر اِسے اس کے اصلی فرائض سے ہٹا کر ایسے کاموں میں لگایا جائے جنہیں مرد انجام دے سکتا ہے تو یہ طریق کار یقیناً غلط ہوگا، مثلاً عورت کو جس کا اصل کام آئندہ نسل کی تربیت

ہے، ٹائپسٹ یا کلرک بنا دینا نہ صرف قانونِ فطرت کی خلاف ورزی ہے بلکہ انسانی معاشرے کو درہم برہم کرنے کی افسوس ناک کوشش ہے''۔ (روزگارِفقیر جلداول صفحہ ٦٦)

آزادیِ نسواں کے حامی مغرب پسند حضرات کی روش پر اقبال یوں پریشانی کا اظہار فرماتے ہیں۔

''معاشرتی اصلاح کے نوجوان مبلغ یہ سمجھتے ہیں کہ مغربی تعلیم کے چند جرعے مسلم خواتین کے تن مردہ میں نئی جان ڈال دیں گے اور وہ اپنی ردائے کہنہ کو پارہ پارہ کر دے گی۔ شاید یہ بات درست ہو، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اپنے آپ کو برہنہ پا کر اسے ایک مرتبہ پھر اپنا جسم ان نوجوان مبلغین کی نگاہوں سے چھپانا پڑے گا''۔ (شذراتِ فکر اقبال صفحہ ۱۴۸)

''ملفوظاتِ اقبال'' میں روسی ترکستان کے ایک عالم موسیٰ جاراللہ سے اقبال کی گفتگو خاصی بصیرت افروز ہے۔ متعلقہ عبارت یوں ہے۔

''موسیٰ جاراللہ صاحب تشریف لے آئے۔ پردے کے متعلق باتیں ہونے لگیں۔ ڈاکٹر صاحب فرمانے لگے۔ ''فطرت کا تقاضا معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ چیز جس میں تخلیقی صفات ہوں، پردے میں رہے، خود خدا کو دیکھئے بے حجاب نہیں۔ زندگی کو لیجئے اگر چہ اس کے آثار کو ہم دیکھ سکتے ہیں، مگر بذاتِ خود وہ ہماری نظروں سے پنہاں ہے''۔۔۔۔ اِس پر موسیٰ جاراللہ نے کہا کہ ہم لوگ بھی پردے کے قائل تو ضرور ہیں، مگر حجابِ رو کو ضروری نہیں سمجھتے اور نہ قرآن کریم میں اس کے متعلق کوئی نص قطعی ہے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا نہیں، قرآن حجابِ رو کا قائل ہے''۔ (ص ۲۴۴)

اور ''مقالات'' میں رقم طراز ہیں۔

''مغربی دنیا میں نفسا نفسی کا ہنگامہ گرم ہے اور غیر معتدل مسابقت نے ایک خاص قسم کی اقتصادی حالت پیدا کر دی ہے۔ عورتوں کا آزاد کر دیا جانا ایک ایسا تجربہ ہے جو میری دانست میں بجائے کامیاب ہونے کے اُلٹا نقصان رساں ثابت ہو گا اور نظامِ معاشرت میں اس سے بیحد پیچیدگیاں واقع ہو جائیں گی اور عورتوں کی اعلیٰ تعلیم سے بھی جس حد تک کہ افرادِ قوم کی شرح ولادت کا تعلق ہے، جو نتائج مرتب ہوں گے وہ بھی غالباً پسندیدہ نہ ہوں گے''۔ (ص ۱۳۶)

بقول فقیر سید وحیدالدین اقبال زن و مرد کی ترقی، نشوونما اور تعلیم و تربیت کیلئے جداگانہ

میدانِ عمل کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جسمانی طور پر بھی ایک دوسرے سے مختلف بنایا ہے اور فرائض کے اعتبار سے بھی، چنانچہ موصوف محترم عورتوں کیلئے ان کی طبعی وفطری ضروریات کے مطابق الگ نظامِ تعلیم اور الگ نصاب چاہتے ہیں۔(روزگار فقیر جلد اول ص ۱۶۶)

''شذرات'' میں لکھتے ہیں۔

''تعلیم بھی دیگر امور کی طرح قومی ضروریات کی تابع ہوتی ہے۔ ہمارے مقاصد کے پیشِ نظر مسلمان بچیوں کیلئے مذہبی تعلیم بالکل کافی ہے۔ ایسے تمام مضامین جن میں عورت کو نسوانیت اور دین سے محروم کردینے کا میلان پایا جائے احتیاط کے ساتھ تعلیم نسواں سے خارج کر دیئے جائیں،،۔(ص ۸۵) اسی سلسلے میں 'ملفوظاتِ اقبال' میں ان کا ایک قول ہے:۔

''تعلیم کا ذکر آیا تو فرمایا کہ مسلمانوں نے دنیا کو دکھانے کیلئے دنیوی تعلیم حاصل کرنا چاہی، لیکن نہ تو دنیا حاصل کر سکے اور نہ دین سنبھال سکے۔ یہی حال آج مسلم خواتین کا ہے جو دنیوی تعلیم حاصل کرنے کے شوق میں دین بھی کھو رہی ہیں''۔ (ص ۸۵)

چنانچہ ایک مرتبہ جب اقبال بھوپال میں بغرض علاج اپنے دوست سر راس مسعود کے ہاں مقیم تھے تو دورانِ گفتگو لیڈی مسعود کے جواب میں فرمایا ''بے شک قرآنِ کریم میں حصولِ علم پر بڑا زور دیا گیا ہے، لیکن اس میں یہ کہاں لکھا ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں ایک مکتب میں مل جل کر تعلیم حاصل کریں''۔ (ص ۱۰۲)

اور اسی نقطۂ نظر کی تائید اقبال نے ''ضربِ کلیم'' میں بھی کی ہے وہ ایسی تعلیم کو سراسر موت قرار دیتے ہیں جس سے عورت نسوانیت کے جوہر کھودے، وہ ایک مسلمان ماں کی خوبیوں سے محروم ہو جائے اور جس سے اس کا دینی کردار ختم ہو جائے۔ کتنے کرب اور دُکھ سے کہتے ہیں۔

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ اموت
ہے حضرتِ انسان کے لئے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسہ زن
ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت

دراصل اقبال کے نزدیک اُمت مسلمہ کیلئے قابلِ تقلید نمونہ نبی اکرم ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اُسوہ ہے چنانچہ اسی نسبت سے وہ خواتین کو تلقین کرتے ہیں کہ حضرت فاطمۃ الزہراہ رضی اللہ عنہا کی پیروی اختیار کریں، اور اپنی آغوش میں ایسے بچوں کی پرورش کریں جو بڑے ہو کر شبیر صفت ثابت ہوں "رموزِ خودی" میں لکھتے ہیں۔

مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؓ
مادراں را اُسوہ کامل بتولؓ

اور "ارمغانِ حجاز" میں خواتین کو یوں نصیحت کرتے ہیں۔

اگر پندے زِ درویشے پذیری
ہزار اُمت بہ میرد، تو نہ میری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

"یعنی ایک درویش کی نصیحت کو قبول کرلو تو ہزار قومیں ختم ہو جائیں، لیکن تم ختم نہیں ہو سکتیں اور درویش کی نصیحت یہ ہے کہ بتولؓ بن کر زمانہ حاضر کی نگاہِ بد سے اوجھل ہو جاؤ (یعنی پردہ اختیار کرلو) تا کہ تم اپنی آغوش میں ایک شبیر کو پال سکو"۔

اور اس قولِ فیصل کے بعد اس موضوع پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(مصنف کی کتاب "مغرب پر اقبالؒ کی تنقید" کا ایک باب)

اسلامی تصوف کے ماخذ (قسط دوم)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

ضابطۂ تصوف

تزکیۂ نفس کے علاوہ اسلامی تصوف میں جن جن باتوں کی تلقین کی جاتی ہے یا تعلیم دی جاتی ہے، وہ بھی سب کی سب قرآن سے ماخوذ ہیں یا حضور انور ﷺ کی حیات طیبہ سے اخذ کی گئی ہیں۔ مثلاً:

(۱) **بیعت کا سلسلہ:** یہ طریق قرآن اور سنت دونوں سے ثابت ہے:

اِن الذین یبایعونك انما یبایعون اللّٰہ۔ (۴۸۔۱۰)

بلاشبہ جو لوگ آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ (پیمانِ وفا باندھتے ہیں)

لقد رضی اللّٰہ عن المومنین اذ یبایعونك تحت الشجرۃ (۴۸:۱۸)

بے شک اللہ راضی ہوگیا اُن مومنوں سے جس وقت وہ بیعت کرتے تھے آپ ﷺ سے اُس درخت کے نیچے۔

(۲) **صحبت مرشد:** اگر تزکیۂ نفس محض کتابوں سے ہوسکتا تو اللہ تعالیٰ بعثت انبیاءؑ کا سلسلہ جاری نہ فرماتا۔ اپنی کتاب کسی شخص کی معرفت دنیا والوں کے پاس بھیج دیا کرتا۔ پس جس طرح صحابہ کرامؓ نے رسولِ خدا سرکار دوسرا ﷺ کی صحبت میں رہ کر اپنے نفوس کا تزکیہ کیا، اِسی طرح آئندہ نسلوں کیلئے ضروری ہے کہ ہر زمانے میں ایسے خاصانِ خدا پیدا ہوتے رہیں جو فنافی الرسول ہو کر تزکیۂ نفوس کا مقدس فریضہ انجام دے سکیں۔

وجہ یہ ہے کہ تزکیۂ نفس کا علم نہ کتابوں میں مذکور ہے اور نہ کتابوں کو پڑھ کر کوئی شخص تزکیہ کر سکتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر چہ فن طبابت اور فن جراحت کا علم کتابوں میں مذکور ہے مگر آج تک (جالینوس کے زمانے سے لے کر اب تک) کوئی حکیم یا طبیب یا ڈاکٹر یا سرجن ایسا نہیں گزرا جس نے میڈیکل کالج میں باقاعدہ تعلیم نہ پائی ہو اور اطباء اور جراحوں کی صحبت میں بیٹھ کر اِس فن کی عملی تربیت حاصل نہ کی ہو۔

پس اگر امراضِ جسمانی کے ازالے کیلئے کتابی علم کے علاوہ میڈیکل کالج میں پڑھنا اور سرجنوں کی نگرانی میں آپریشن کرنا مہارت و حذاقت کے لئے شرطِ اولین ہے تو امراضِ روحانی کے ازالے کیلئے روحانی کالج (خانقاہ) میں تربیت حاصل کرنا اور شیخ کامل کی نگرانی (نگاہ) میں رہ کر سلوک کی منزلیں طے کرنا (مہارت حاصل کرنا) کیوں لازمی نہ ہو۔

ہر شخص کا روزمرہ مشاہدہ ہے کہ دنیا کا کوئی فن (غواصی، جراحی، نجاری، طباخی، خیاطی، حلاجی، خطاطی) صاحبِ فن کی صحبت اُٹھائے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ تزکیہ نفس بھی ایک فن ہے اور بہت مشکل فن ہے، تو یہ فن کسی ماہرِ فن کی صحبت کے بغیر کس طرح حاصل ہوسکتا ہے؟ چراغ تو چراغ ہی سے جل سکتا ہے۔

جبھی تو علامہ اقبال مرحوم نے اِس زمانے کے مغرب زدہ اور فلسفہ زدہ مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا ہے۔

کیمیا پیدا کُن از مشتِ گلے
بوسہ زن بر آستانِ کاملے

یعنی اے مسلمان! تو کیا ہے؟ ایک مشتِ گِل ہی تو ہے۔ اگر تو مٹی ہی رہا تو ایک دن مٹی میں مل کر فنا ہو جائے گا، اِس لئے میں تجھے مشورہ دیتا ہوں کہ تو اِس مشتِ گِل (جسم یا شخصیت) کو کیمیا میں تبدیل کر لے اور اس کی واحد صورت یہ ہے کہ کسی کامل کے آستانے کو چوم یعنی کسی شیخ کامل کی صحبت اختیار کر۔

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ "دلوں کو چمکانے اور صیقل کرنے کا یہ علم کتابوں میں مدون نہیں ہے"۔

(۳) **خلوت:** شیخ طریقت سالک کو کچھ عرصے کیلئے خلوت اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے اور صوفیائے کرامؒ کے سوانح حیات کے مطالعے سے یہ ثابت ہے کہ ہر صوفی نے کچھ عرصے کیلئے خلوت اختیار کی ہے۔ اِس کی ضرورت اور اس کی اہمیت کا ثبوت خود سرکارِ ابد قرار ﷺ کی حیات مبارکہ سے مل سکتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ قبل نبوت حضور اکرم ﷺ نے تین سال تک غارِ حرا میں خلوت اختیار فرمائی تھی۔ خلوت کی اہمیت پر میرے مرشد اولین، اکبر الہ آبادی مرحوم کا یہ ایک شعر کافی ہے۔

خدا کے کام دیکھو! بعد کیا ہے اور کیا ہے پہلے
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غار حرا پہلے

اِس سلے میں اُن کے ایک عقیدت مند کا شعر بھی قابل غور ہے۔

صاحب تحقیق را جلوت عزیز
صاحب تخلیق را خلوت عزیز

(۴) **اعتکاف**: شیخ طریقت بعض اوقات مرید کو اعتکاف کا حکم دیتا ہے۔اور یہ حکم بھی سنت نبوی سے ماخوذ ہے۔ ہر شخص جس نے سیرۃ النبی ﷺ کا مطالعہ کیا ہے اِس بات سے واقف ہے کہ حضور انور ﷺ ہر سال ماہ رمضان کے آخری عشرے میں مسجد نبوی میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ رابطہ قلبی پیدا کرنے کیلئے اعتکاف فی المسجد، اکسیر کا خاصہ رکھتا ہے جسے شک ہو تجربہ کر کے دیکھ لے۔سلوک تو سراسر عملی پروگرام ہے۔

(۵) **محبت یا عشق**: تصوف کی بنیاد ہی عشق الٰہی پر رکھی گئی ہے۔جس طرح دریائے نیل کے بغیر ملک مصر کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اِسی طرح عشق کے بغیر اقلیم تصوف کا تصور نہیں ہو سکتا۔ تصوف کا تار بھی عشق ہے اور پود بھی عشق ہے۔یہ بنیاد بھی قرآن وحدیث سے ماخوذ ہے۔صرف ایک آیت لکھتا ہوں۔

والذین امنوا اشد حبا للّٰہ۔ (۱۶۵:۲)

جو لوگ مومن ہیں وہ اللہ کی محبت میں اشد ہیں۔

(۶) **مراقبہ اور محاسبہ**: شیخ طریقت مرید کو مراقبہ اور محاسبہ کا حکم دیتا ہے اور یہ حکم اِس آیت سے ماخوذ ہے۔

ولتنظر نفس ما قدمت لغد(۱۸:۵۹)

اور لازم ہے کہ ہر شخص یہ دیکھتا (غور کرتا) رہے کہ اِس نے آئندہ کل (قیامت) کیلئے کیا توشہ آگے بھیجا ہے (یعنی کون کون سے اعمال صالحہ اِس کے نامہ اعمال میں مندرج ہیں۔یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو محاسبہ کرنے کا حکم دیا ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ محاسبہ، مراقبے پر موقوف

ہے جب تک مراقبہ نہ کیا جائے، محاسبہ ناممکن ہے۔

(۷) **مجاہدہ:** تصوف میں مجاہدہ شرط لازمی ہے۔کوئی سالک مجاہدے کے بغیر سلوک طے نہیں کرسکتا اور یہ شرط اِس آیت سے ثابت ہے۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (۶۹:۲۹)

اور جو لوگ ہم سے ملنے یا ہم تک پہنچنے کیلئے کوشش (مجاہدہ) کرتے ہیں ہم یقیناً انہیں اپنی طرف آنے والی راہیں دکھادیتے ہیں۔ سچ کہا ہے عارف شیرازیؒ نے:۔

ناز پرورد تنعم نبرد راہ بدوست
عاشقی شیوہ رندان بلا کش باشد

(۸) **ذکر و فکر:** شیخ طریقت، مرید کو ذکر و فکر کا حکم دیتا ہے اور یہ تلقین ذکر و فکر، جس کی اہمیت محتاج بیان نہیں ہے، قرآن کریم کی اس آیت سے ماخوذ ہے۔

ان فی خلق السموت والارض واختلاف الیل والنھار لا یت لاولی الالباب۔ الذین یذکرون اللہ قیما و قعودًا وعلی جنوبھم و یتفکرون فی خلق السموت والارض ۔ ربنا ما خلقت ھذا باطلا۔ (۱۹:۳، ۱۹۱)

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے اختلاف میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کیلئے (یہ وہ ہیں) جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے اور فکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (اور غور و فکر کے بعد پکار اُٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے رب! تو نے یہ کائنات بے فائدہ پیدا نہیں کی ہے۔

سالک کو یہ تلقین کی جاتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے ذکر کرتے رہو۔یہ تلقین اِس آیت سے ماخوذ ہے۔

واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون۔ (۴۵:۸)

اور یاد کرو اللہ کو بہت تا کہ تم فلاح پاؤ۔

ذکر کی برکات

ایس ایم نور

قرآن حمید فرقانِ حمید میں ارشادِ ربانی ہے:۔

''اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کا خوب کثرت سے ذکر کیا کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو''۔ (الاحزاب:۴۱۔۴۲)

اِسی حوالے سے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ دنیا میں نرم نرم بستروں پر اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ذکر کرتے ہیں جس کی وجہ سے حق تعالیٰ جل شانہ جنت کے اعلیٰ درجوں میں ان کو پہنچا دیتا ہے۔ (ابن حبان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پہ سیاہ داغ لگ جاتا ہے اگر توبہ کرے اور معافی مانگ لے تو اس کا دل صیقل ہو جاتا ہے (یعنی صاف شفاف ہو جاتا ہے) اور اگر گناہ زیادہ کرے تو سیاہی زیادہ ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ دل پر چھا جاتی ہے۔ یہ ہی وہ زنگ ہے جس کا رب تعالیٰ نے (قرآن پاک میں) ذکر فرمایا ہے۔ اِنکے اعمال نے انکے دلوں پر زنگ لگا دیا ہے۔ (المطففین۔۴۱)

''نتیجہ یہ نکلا کہ قلب کے بگڑنے اور سیاہ ہونے کی وجہ ہمارے گناہ ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بگڑے ہوئے اور سیاہ دلوں کو درست کرنے اور چمکانے کیلئے کیا کیا جائے؟ قرآن پاک میں ارشادِ ربانی ہے۔

''اے لوگو! تمہارے پاس رب کی طرف سے نصیحت آئی اور دلوں کی صحت اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لئے''۔ (یونس:۵۷)

اِسی حوالے سے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ ہر چیز کی صیقل (صاف کرنے والی ایک چیز) ہے اور دلوں کی صیقل اللہ کا ذکر ہے اور کوئی چیز اللہ کے ذکر سے بڑھ کر عذابِ الٰہی سے نجات نہیں دیتی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دریافت فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی نہیں، فرمایا بلکہ یہ بھی نہیں کہ غازی اپنی تلوار سے

کفار کو مارے حتیٰ کہ تلوار ٹوٹ جائے۔،،(بیہقی، فی دعوات کبیر)

یعنی مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جسم کا دارومدار قلب پر ہے اگر یہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے اور اگر یہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ قلب کے بگڑنے اور سیاہ ہونے کی وجہ ہمارے گناہ ہیں۔ تیسرے یہ کہ اگر قلب کو درست کرنا اور صاف کرنا ہو تو توبہ کرنی چاہیے اور ذکر کرنا چاہیے۔

یہ بات ہم سب کو خوب سمجھ لینی چاہیے کہ تمام عبادات کا بنیادی مقصد قرب و رضائے الٰہی ہے اور یہ قرب الٰہی، قرب رسول اللہ ﷺ کے بغیر نہیں مل سکتا اور قرب رسول اللہ ﷺ۔ اتباع رسول اللہؐ کے بغیر نہیں مل سکتا۔ اتباع رسول اللہ ﷺ یعنی رسول پاک صاحب لولاک ﷺ کی سنت مطہرہ پر عمل کے لئے ذکر ہماری ہمت چست کر دیتا ہے۔ ذکر کی بدولت دل گداز (نرم) ہو جاتا ہے دل میں اللہ کا خوف پیدا ہوتا ہے اور انسان میں ذکر کی برکت سے اتنی قوت ارادی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ خود بخود گناہوں سے کنارہ کش ہونے لگتا ہے اور نماز روزہ اور دوسرے فرائض و واجبات کی طرف راغب ہونے لگتا ہے اور یہ بات عملی طور پر مشاہدے میں بھی آئی ہے کہ بھرپور توجہ اور کچھ عرصہ تسلسل کے ساتھ ذکر کرنے والے رفتہ رفتہ خود بخود فرائض واجبات کی ادائیگی میں بھی پابندی اختیار کرنے لگے اور پھر بالآخر سختی سے کاربند ہو گئے۔

قرآنِ حکیم میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''اللہ وہ ہے جو دو طرح روحوں کو قبض کرتا ہے، موت کے وقت اور نیند میں، وہ مرنے والوں کی روحوں کو اپنے ہاں روک لیتا ہے، لیکن باقی ارواح کو ایک خاص میعاد کیلئے ان کے اجسام میں دوبارہ بھیج دیتا ہے، اس حقیقت میں اہل فکر کے لئے کچھ اسباق موجود ہیں''۔(الزمر:۴۲)

اِسی روح کو مغرب کے اہل فن اپنی اصطلاح میں ''آسٹرل باڈی''(Austral Body) یا ''جسم لطیف'' کہتے ہیں۔

دراصل تحقیقات سے یہ حقیقت اب تسلیم کی جا چکی ہے کہ ہمارے جسم خاکی کے اندر ایک اور جسم داخل ہے جو بخاراتِ آبی سے زیادہ لطیف ہے، حقیقی انسان وہی ہے۔ یہ جسم خاکی فانی ہے

اور وہ غیر فانی ہے۔ جب ہم سو جاتے ہیں تو جسم لطیف خاکی جسم سے نکل کر اِدھر اُدھر گھومنے چلا جاتا ہے۔ یہ دونوں جسم ایک لطیف بندھن سے باہم بندھے ہوئے ہیں اور جب کسی حادثے یا بیماری سے یہ بندھن کٹ جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے، ورنہ نیند کے بعد جسم لطیف جسم خاکی میں واپس آجاتا ہے۔

فلسفہ ذکر و دُعا

ماہرین روحانیات کے نزدیک ہر حرف کا ایک خاص رنگ اور اس میں ایک خاص طاقت ہوتی ہے، غیب بینوں (Clair Voyants) نے حروف کو لکھ کر "تیسری آنکھ" سے دیکھا تو انہیں الف کا رنگ سرخ، ب کا نیلا، د کا سبز اور س کا رنگ زرد نظر آیا۔ پھر ان کے اثرات کا جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ الفاظ کی ترکیب و ترتیب اور بولنے والے کی شخصیت کے اعتبار سے الفاظ کی طاقت مختلف ہوا کرتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک گناہ گار آدمی کی نسبت ایک نیک آدمی کے ادا کردہ کلمات زیادہ طاقت رکھتے ہیں جب کہ ایک عام نیک آدمی کی نسبت ولی اللہ کی زبان سے نکلنے والے الفاظ زیادہ پر تاثیر ہوتے ہیں، اسی طرح انبیاء کے کلمات کی روحانی قوت بہت زیادہ ہوتی ہے، جب کہ الہامی الفاظ جیسے قرآنِ پاک کے الفاظ انتہائی قوت و طاقت کا خزانہ (Highly Energised) ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ الہامی الفاظ کی تکرار تمام روحانی و جسمانی بیماریوں سے شفایابی کا باعث ہوتی ہے، جیسا کہ خود رب کائنات نے قرآنِ پاک میں فرمایا ہے: "تم فرماؤ وہ ایمان والوں کیلئے ہدایت اور شفا ہے"۔ (حم السجدہ: ۴۴)

حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد بائبل میں یوں نقل کیا گیا ہے:

" My words are life to them that find them health to all their flesh".

"میرا کلام ماننے والوں کیلئے زندگی اور ان کے اجسام کیلئے صحت ہے"۔

جسم لطیف ایک سانچہ ہے جس میں جسم خاکی ڈھلتا ہے، اگر سانچہ ٹیڑھا یا بدنما ہو تو ڈھلی ہوئی چیز کا بدنما ہونا یقینی ہے۔ گناہ سے جسم لطیف بدنما اور طاعت و عبادت سے حسین و دلکش بن جاتا ہے۔ بدکاروں کے اجسام لطیفہ مرجھا جاتے ہیں اور ان کے چہروں پر خشکی اور نحوست عیاں ہونے

لگتی ہے، جب کہ ذکر الٰہی سے جہانِ مخفی کی طاقتیں خوش ہوتی ہیں کہ حسین و وجیہہ آدمی کی کون قدر نہیں کرتا ،ذکر وتقویٰ سے وہ داخلی انسان جو اِس جسم خاکی کے غلاف میں لپٹا ہوا ہے، جمیل ولطیف بن جاتا ہے۔روحانی مخلوق (فرشتے) اُس سے پیار کرنے لگتے ہیں، کیونکہ ملائکہ بھی اجسام لطیفہ ہیں اور ان کا رشتہ ہمارے اجسام لطیف سے ہوتا ہے۔

قرآنِ پاک میں رب ذوالجلال فرماتا ہے کہ: ''وہ اہل ایمان جو اپنے ایمان میں گناہ کو داخل نہیں ہونے دیتے ،وہ امن وسکون اور ہدایت کی نعمت سے بہرہ ور ہوں گے''۔ (الانعام:۳۸)

اِسی طرح اگر جسم لطیف مسخ اور غلیظ ہو چکا ہو اِس سے تعفن کی لپٹیں اُٹھ رہی ہوں تو اجسام لطیفہ اُن کے قریب کیسے آئیں گے جب کے اس کے برعکس نیک لوگوں کے بہت سے معاملات اِسی روحانی مخلوق (فرشتوں) کی معاونت سے انجام پاتے ہیں مثلاً حوادث سے بچاتے ہیں، کامرانی ومسرت کی نئی نئی تجاویز اُن کے دماغ میں ڈالتے ہیں ۔اسباب کی کڑیاں باہم ملاتے ہیں اور ہر دل میں اُن کیلئے جذبہ احترام پیدا کرتے ہیں۔

المختصر یہ سب وہی تعلیمات ہیں جن کی تبلیغ ہمارا مذہب ہمیشہ سے کر رہا ہے کیونکہ قارئین کرام، ذکر الٰہی کی کثرت انسان پر وہ کیفیت طاری کر دیتی ہے کہ جس کا رنگ ہی جداگانہ ہے، انسانی دماغ پر مختلف حالات وواقعات جن کیفیات کا باعث بنتے ہیں ذکر الٰہی کی کثرت اُن سب سے عمیق اور دیرپا کیفیت کا باعث بنتی ہے۔ ذکر الٰہی بظاہر اسمائے الٰہی کی تکرار ہے۔لیکن درحقیقت یہ روح کا سفر ہے،منبع نور وقوت کی طرف یعنی یہ وہی سفر ہے جو روح میں بالیدگی اور وسعت پیدا کرتا ہے۔

یقین وایمان کی حرارت پیدا ہوتی ہے اور کائنات کے جسم میں ایک روح عظیم رواں دواں نظر آنے لگتی ہے، اس کے بعد پہاڑوں کے بلند وپست سلسلوں اور ستاروں کی بکھری ہوئی محفل میں چشم وجدان ایک ایسا رشتہ وحدت دیکھ لیتی ہے جو زمان ومکان کی تمام تفریقات کو مٹا دیتا ہے۔ یہ وہی صاحبانِ ذکر وفکر ہیں جو نالہ نیم شب کے نیاز اور خلوت کے گداز سے آشنا ہوتے ہیں اور جن کے بارے میں اللہ رب العزت قرآن میں فرماتا ہے۔

(وہی صاحبانِ عقل وخرد ہیں) جواللہ کا ذکر اُٹھتے بیٹھتے اوراپنی کروٹوں پر بھی کرتے ہیں، اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں،،۔ (آل عمران:۱۹۱)

جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ مجنون کہنے لگیں۔(مسند احمد، ابویعلیٰ، ابن حبان)

اِن اہلِ ذکر کیلئے اس سے بڑھ کر سعادت کی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ وہ ذکر کی بدولت نہ صرف خود فیوض و برکات سمیٹتے ہیں بلکہ اُن کے پاس آنے والا اگر چہ ذکر کے ارادے سے نہ بھی آئے پھر بھی محروم نہیں رہتا بلکہ ضرور فیض یاب ہوتا ہے، جیسا کہ مشکوٰۃ شریف کے صفحہ نمبر ۱۹۷ پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک طویل حدیث پاک نقل کی گئی ہے، جسکا مفہوم مختصر الفاظ میں یوں ہے۔

''اللہ تعالیٰ اہلِ ذکر کے بارے میں فرشتوں کو گواہ بنا کر کہتا ہے کہ میں نے اُن کو بخش دیا تو ایک فرشتہ کہتا ہے کہ یا اللہ! اُن میں ایک ایسا بھی تھا جو اللہ کے ذکر کیلئے نہیں آیا تھا، بلکہ کسی کام سے آیا تھا، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایسے ساتھی ہیں کہ اُن کے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں رہ سکتا''۔

دراصل جب انسانِ حقیر، ربِ عظیم و کریم کے تصور میں کھو جاتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے قطرہ قلزم آشنا ہو کہ بے کراں ہو رہا ہے اور ہر لحہ ذکر قلب و روح میں وسعت و رفعت پیدا کر رہا ہے۔خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس گداز کو پالیں کہ ابن آدم کا جمالِ حقیقی دراصل یہی ہے۔

(بشکریہ! روزنامہ نوائے وقت)

حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف الزُہری (قسط۲)

طالب الہاشمی

۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ کو حضرت عمر فاروقؓ پر قاتلانہ حملے کا واقعہ ہائلہ پیش آیا۔ امیر المومنینؓ نماز فجر پڑھانے کھڑے ہوئے تو ایک پارسی غلام ابولولو فیروز نے ان پر خنجر سے حملہ کر کے شدید زخمی کر دیا۔ صحیح بخاری میں حضرت عمروؓ بن میمون سے روایت ہے کہ:

''حضرت عمرؓ نے (زخمی ہونے کے بعد) عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا ہاتھ پکڑا اور ان کو (امامت کیلئے) آگے بڑھایا جو لوگ قریب تھے وہ سب کچھ دیکھ رہے تھے جو میں دیکھ رہا تھا۔ باقی دُور کے لوگ تو ان کو کچھ خبر نہ تھی (کہ کیا ہوا) صرف اتنا تھا کہ حضرت عمرؓ کی آواز گم پا کر لوگ چلا رہے تھے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے ان کو ہلکی (مختصر) نماز پڑھائی۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ دوسرے لوگوں کے ساتھ زخمی امیر المومنینؓ کو اُٹھا کر ان کے گھر لے گئے۔

جب حضرت عمر فاروقؓ کی جانبری کی اُمید نہ رہی تو لوگوں نے ان سے اصرار کیا کہ منصب رسالت کیلئے کسی کو نامزد کر دیجئے۔ ان کے اصرار سے مجبور ہو کر فاروقِ اعظمؓ نے اِن چھ بزرگوں کے نام پیش کیے۔

حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔

اور فرمایا ان چھ آدمیوں میں سے جسکی نسبت کثرت رائے ہو اس کو خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ ان سب سے آخر وقت تک خوش رہے تھے۔

زخمی ہونے کے تین دن بعد حضرت عمر فاروقؓ نے پیک اجل کو لبیک کہا اور یکم محرم ۲۴ھ کو ان کی تدفین عمل میں آئی۔ جن بزرگوں نے اِس رجل عظیم کو قبر میں اتارا ان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ، حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے علاوہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف بھی تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے وفات سے پہلے یہ وصیت بھی کی تھی کہ خلافت کا مسئلہ تین دن کے اندر اندر حل ہونا چاہیے۔ چنانچہ اِن کی تدفین کے بعد اس مسئلہ پر نہایت سرگرمی سے غور و خوض شروع ہو گیا۔ پہلے تین دن تک کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ تیسرے دن

حضرت عبدالرحمٰنؓ نے دوسرے (نامزد) بزرگوں سے کہا کہ آپ امرِ خلافت تین آدمیوں تک محدود کر دیں۔ اِس پر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص حضرت عبدالرحمٰنؓ کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کے حق میں اور حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضرت عثمانؓ کے حق میں رائے دی۔ اِس کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اپنے حق سے دست برداری کا اعلان کر دیا اور حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے پوچھا، کیا آپ لوگ یہ کام (انتخاب) میرے متعلق کرتے ہیں۔ خدا شاہد ہے تم میں سے افضل شخص (کے انتخاب) میں کوتاہی نہیں کروں گا۔

دونوں بزرگوں نے ان کی بات تسلیم کرنے کی ہامی بھری۔ اِس کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ نے دونوں کوں بزرگوں کو الگ الگ لے جا کر ان کے فضائل و مناقب بیان کیے اور ہر ایک سے عہد لیا کہ اگر ان کو منصبِ خلافت دیا گیا تو وہ عدل کریں گے اور اگر ان کے مقابل کو دیا گیا تو ان کی اطاعت کریں گے۔ اس عہد و پیمان کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ نے (ایک روایت کے مطابق مجمع عام میں ایک موثر خطبہ دیا اور پھر) حضرت عثمانؓ سے کہا۔ ''اے عثمانؓ ہاتھ اُٹھائیں''۔ انہوں نے ہاتھ بڑھایا تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے آگے بڑھ کر ان کی بیعت کر لی۔ اس کے ساتھ ہی تمام لوگ بیعت کیلئے ٹوٹ پڑے۔

اِس سلسلے میں کتب حدیث و سیر میں اور بھی کئی روایتیں موجود ہیں۔ ان میں ایک مشہور روایت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بلا تامل شیخین کے اتباع کا عہد کیا تھا اِسی لئے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے انہیں حضرت علیؓ پر ترجیح دی۔ بعض اربابِ علم نے ان روایتوں پر نقد و جرح کی ہے۔ بہر حال صورت واقعہ کچھ بھی ہو یہ معاملہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے بڑی خوش اسلوبی سے حل کر دیا۔ اور اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس معاملہ میں ان کی تمام مساعی میں اخلاص اور خیر خواہی اُمت کا جذبہ کارفرما تھا۔ صحیح بخاری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک خلافت کا مسئلہ طے نہ ہو گیا حضرت عبدالرحمٰنؓ ہی مسلمانوں کی امامت کرتے رہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے بھی حضرت عبدالرحمٰنؓ کا اعزاز و اکرام برقرار رکھا اور مختلف معاملات میں ان سے مشورہ کرتے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ۲۴ھ (عام الرعاف) میں حضرت عثمانؓ پھوٹنے کی وجہ سے حج کو نہ جا سکے تو حضرت عبدالرحمٰنؓ کو امیر الحج بنایا۔ ۲۹ھ میں حضرت عثمانؓ حج کیلئے گئے تو حضرت

عبدالرحمٰنؓ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی چھ سال نہایت امن وسکون سے گزرے لیکن پھر فتنوں کا آغاز ہو گیا۔ یہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی زندگی کا آخری دور تھا جو اُنھوں نے نہایت خاموشی سے گوشۂ عزلت میں گزارا۔ آخر وہ گھڑی آ پہنچی جس کو ہر ذی روح پر ایک نہ ایک دن وارد ہونا ہے۔

۳۱ھ یا ۳۲ھ ہجری میں رحمت دو عالم ﷺ کے اِس برگزیدہ جاں نثار نے پیک اجل کو لبیک کہا۔ بقول ابن سعدؒ اِس وقت ان کی عمر ۷۵ برس کی تھی لیکن حافظ ابن حجرؒ نے ''الاصابہ'' میں ان کی عمر ۷۲ سال بیان کی ہے۔ ابن سعدؒ اور حافظ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ ذوالنورین نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنازہ پر کھڑے ہو کر فرمایا:۔

''عبدالرحمٰنؓ جاؤ تم نے اچھا زمانہ پایا اور فتنوں سے بچ کر چل دیئے''۔

سیدنا حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جنازے میں شریک تھے اور ساتھ ساتھ کہتے تھے ''واجبلاہ'' ''واجبلاہ'' (ہائے افسوس یہ پہاڑ یعنی بہت بڑا آدمی دنیا سے چل بسا) صحیح بخاری (کتاب الجنائز) کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مسلمانوں نے ان کی قبر پر خیمہ کھڑا کر دیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اِسے دیکھا تو فرمایا، اِس خیمے کو اُکھاڑ لو، ان (عبدالرحمٰنؓ) پر ان کا عمل سایہ کرے گا''۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کی (لیکن ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں کبھی نہیں رہیں) بیویوں کے نام یہ ہیں۔

اُم کلثوم بن عتبہ بن ربیعہ، نامعلوم الاسم بنت شیبہ بن ربیعہ اُم کلثومؓ بنت عقبہ بن ابی معیط، سہلہؓ بنت عاصم قصاعیہ، بحریہ بنت ہانی شیبانیہ، اُم حبیبہؓ بنت جحش (اُم المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش کی بہن تھیں۔ اِس لحاظ سے حضرت عبدالرحمٰن حضور ﷺ کے ہم زُلف تھے) سہلہؓ بنت سہلؓ، اُم حکیم بنت قارظ، بنت ابوالحسین بن رافع اوسیہ، تماضرؓ بنت اصبغ، اسماء بنت سلامہ، اُم حریث مجد بنت یزید حمیریہ، غزال بنت کسریٰ، زینب بنت صباح، بادیہ بنت غیلان ثقفیہ، اولادِ ذکور کے نام یہ ہیں۔

سالم اکبر (اسلام سے پہلے فوت ہو گیا) محمد ابراہیم حمید، اسماعیل، معن، عمر، زید، عروہ اکبر،

سالم اصغر، ابوبکر، عبداللہ، ابوسلمہ عبداللہ اصغر، عبدالرحمٰن، مصعب، سہل، ابوالابیض، عثمان، عروہ اصغر، یحییٰ، بلال۔

اولادِ اناث کے نام یہ ہیں۔

اُم القاسم، حمیدہ، اَمۃ الرحمان، امتہ الرحمان صغریٰ، آمنہ، مریم، اُم یحییٰ، جویریہ۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ اغنیائے صحابہ میں تھے۔ بے مثال جود وسخا اور انفاق فی سبیل اللہ (جس کا ذکر آگے آتا ہے) کے باوجود اپنے پیچھے جائیداد غیر منقولہ اور نقدی کے علاوہ ایک ہزار اونٹ تین ہزار بکریاں اور سو گھوڑے چھوڑے جو بقیع میں چرتے تھے۔ ابن سعدؒ اور ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ ان کی چاروں بیویوں نے جائیداد متروکہ کے آٹھویں حصے سے اسی ۸۰ اسی ۸۰ ہزار دینار پائے۔ ابن سعدؒ نے لکھا ہے کہ سونے کے ڈلے اتنے بڑے بڑے تھے کہ کدال سے کاٹے گئے اور لوگوں کے ہاتھوں میں کاٹتے کاٹتے آبلے پڑ گئے۔ وفات سے پہلے پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار گھوڑے راہِ خدا میں وقف کیے۔ اِن کے علاوہ اصحاب بدر میں سے ہر ایک کیلئے چار چار سو دینار کی وصیت کی۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ اِس وقت ایک سو بدری صحابہ بقید حیات تھے۔ ان سب نے بخوشی اِس وصیت سے فائدہ اُٹھایا۔ ان میں خود امیر المومنین حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے۔ اُمہات المومنینؓ کیلئے ایک باغ کی وصیت کی جو چار لاکھ درہم میں فروخت ہوا۔

حافظ ابن حجرؒ اور بعض دوسرے اہل سیر نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کا حلیہ اس طرح بیان کیا ہے۔ چھریرا بدن، قد بلند و بالا، رنگ سرخ و سپید، ناک اُونچی اور لانبی، فراخ چشم، پلکیں گھنی اور بڑی، ریش دراز، سر پر کانوں سے نیچے تک گھونگھر دار زُلفیں۔ نہایت خوبرو، ہتھیلیاں پُر گوشت، کلائیاں گٹھی ہوئی، اُنگلیاں موٹی، غزوہ اُحد میں زخم آنے کی وجہ سے پاؤں میں لنگ تھا۔

ابن اثیرؒ نے "اُسُد الغابہ" میں حضرت قبیصہ بن جابرؓ سے روایت کی ہے کہ میں حضرت عمر فاروقؓ کے پاس گیا اِن کی داہنی جانب ایک اور شخص بیٹھے تھے قرصِ نقرہ جیسے سفید و روشن تھے۔ وہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف تھے۔

سیدنا حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی ذاتِ گرامی گوناگوں اوصاف و محاسن اور فضل و کمال کی جامع تھی۔ اہل سیر نے ان کے علم و فضل، اخلاص فی الدین تحمل شدائد حب رسول ﷺ، شوقِ جہاد، انفاق فی سبیل اللہ، ایثار، صدق وصفا، خوفِ خدا، وفائے عہد، رقتِ قلب، اصابت رائے، شغف

عبادت، تقویٰ، انکسار، امانت، امر بالمعروف، عیادتِ مرضیٰ ہمت اور شجاعت کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ ان کے علم و فضل کا اندازہ واقدی کی اِس روایت سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ ان بزرگوں میں تھے جو عہدِ رسالت میں فتویٰ دیتے تھے۔ ان سے بہت سے صحابہؓ و تابعین نے متعدد احادیث روایت کی ہیں۔ راویوں میں حضرت عمر فاروقؓ بھی شامل ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے ''اصابہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک مرتبہ ان سے روایت کی تو ان کے بارے میں یہ الفاظ فرمائے۔ ''**العدل الرضی** ''حضرت عبدالرحمٰنؓ سے مروی احادیث میں جزیہ مجوس (یعنی مجوسیوں سے جزیہ روا ہے)، حدِ خمر (شرابی کی سزا اسی دُرّے) مقام طاعون (یعنی طاعون زدہ جگہ سے نہ بھاگنا چاہیے اور نہ وہاں جانا چاہیے) سے متعلق حدیثیں فقہ میں ممتاز درجہ رکھتی ہیں۔ ان کے طلبِ علم کی یہ کیفیت تھی کہ باوجود اپنی کبر سنی اور جلالت قدر کے عہد فاروقی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے صغیر السن صحابی سے بھی علمی استفادہ کیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ ایک خوشحال گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور گھر میں ہر طرح کی راحت میسر تھی لیکن انہوں نے تمام نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر اس وقت اسلام قبول کیا جب ایسا کرنا مصائب و آلام کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ انہوں نے تین مرتبہ ہجرت کی سعادت حاصل کی اور راہِ حق میں ہر قسم کی مصیبتیں برداشت کیں۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کو سرکارِ دو عالمﷺ سے والہانہ محبت تھی، غزوات میں تو وہ ذاتِ رسالت مآبﷺ پر اپنی جان فدا کرنے کیلئے آپؐ کے ہمرکاب رہتے ہی تھے۔ ویسے بھی جب موقع ملتا بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہو کر فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہوتے تھے۔ مسند احمد، کنز العمال، ترمذی اور مستدرک حاکم وغیرہ میں خود حضرت عبدالرحمٰنؓ سے روایت ہے کہ ہم اصحاب رسول اللہﷺ میں سے پانچ یا چار آدمی آپؐ سے جدا نہ ہوتے تھے تاکہ کسی وقت آپؐ کو کوئی ضرورت پیش آئے تو اس کو پورا کر سکیں۔ ایک دن میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ مکان سے باہر نکلے میں آپ کے پیچھے ہولیا۔ آپؐ بلندی پر واقع ایک باغ میں داخل ہوئے۔ وہاں آپؐ سربسجود ہو گئے اور اتنا طویل سجدہ کیا کہ مجھے ڈر پیدا ہوا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی روح قبض کر لی ہے۔ یہ خیال آتے ہی میں رونے لگا۔ حضورﷺ نے اپنا سر مبارک اُٹھایا اور فرمایا، عبدالرحمٰنؓ تجھے کیا ہو گیا؟ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہﷺ آپ نے اتنا طویل سجدہ کیا کہ میں سمجھا آپ ہمیشہ کیلئے ہم سے جدا ہو گئے ہیں، اِس لئے مجھ پر گریہ طاری ہو گیا۔ حضورﷺ

نے فرمایا: جبریلؑ نے مجھ سے کہا کہ کیا میں آپ کو بشارت نہ دے دوں کہ اللہ عزوجل نے فرمایا کہ جو آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر درود بھیجوں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلامتی نازل کروں گا۔ میرا یہ طویل سجدہ سجدہ شکر تھا۔

نہایت رقیق القلب تھے اور اثر پذیر طبیعت پائی تھی۔ کبھی پرتکلف کھانا سامنے آتا تو چشم پُر آب ہوکر فرماتے۔ ''رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے اہل وعیال کو تمام عمر پیٹ بھر جو کی روٹی بھی نہ ملی''۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ روزہ سے تھے شام کو کھانا سامنے آیا تو مسلمانوں کا گزشتہ فقر و فاقہ یاد کر کے فرمایا، مُصعبؓ بن عمیر قتل ہوئے وہ مجھ سے بہتر تھے۔ ان کو ایک چادر کا کفن دیا گیا سر چھپایا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں چھپائے جاتے تھے تو سر برہنہ ہو جاتا تھا حمزہؓ قتل ہوئے وہ بھی مجھ سے بہتر تھے۔ پھر ہمارے لئے دنیا اس قدر بچھا دی گئی کہ ہم کو خوف ہے کہ ہمارے نیک اعمال کا بدلہ آخرت کی بجائے دنیا میں ہی نہ دے دیا گیا ہو۔ پھر رونا شروع کر دیا اور کھانا چھوڑ دیا۔

اپنے عہد کا اس قدر پاس تھا کہ غزوہ بدر کے موقع پر اُمیہ بن خلف جیسے نابکار کو بچاتے ہوئے زخمی ہو گئے۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کے صدق و عفاف کے سب لوگ معترف تھے۔ مسند احمد حنبلؒ میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ کی عدالت میں دعویٰ کیا کہ میں نے آلِ عمرؓ سے ایک قطعہ زمین خریدا جو عمرؓ بن الخطاب کو رسول اللہ ﷺ نے بطور جاگیر عطا فرمایا تھا لیکن عبدالرحمٰنؓ بن عوف کہتے ہیں کہ اس قطعہ زمین میں ان کی بھی زمین آ گئی ہے جو انہیں رسول اللہ ﷺ نے عمرؓ کی جاگیر کے ساتھ مرحمت فرمائی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ عبدالرحمٰنؓ اپنے موافق یا مخالف جو شہادت بھی دیں گے قبول کی جائے گی۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کی امانت اور تقویٰ پر امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کو اس قدر اعتماد تھا کہ جب اُمہات المومنینؓ حج کیلئے گئیں تو انہوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اُن کا نگران مقرر کیا۔

زبیر بن بکارؒ کا قول ہے کہ عبدالرحمٰنؓ رسول اللہ ﷺ کی ازواج پر امین تھے۔

حافظ ابن حجرؒ نے ''اصابہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ سفر حج میں ازواجِ مطہراتؓ کیلئے پردہ اور سواری کا انتظام کرتے تھے اور جہاں پڑاؤ ہوتا تھا وہاں نہایت احتیاط اور اہتمام کے ساتھ

اُتارتے تھے۔

ابن اثیرؒ نے ''اُسد الغابۃ'' میں اور امام سیوطیؒ نے ''جامع الصغیر'' میں اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہﷺ اپنی ازواج مطہرات سے فرماتے تھے کہ جو شخص میرے بعد تمہاری خدمت کرے گا وہ صادق اور سخی ہوگا۔ الٰہی عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو سلسبیل (جنت کا ایک چشمہ) سے سیراب کر۔

گو خود ذاتِ رسالت مآبﷺ نے ارشاد فرمادیا کہ میرے وصال کے بعد عبدالرحمٰنؓ بن عوف ازواجِ مطہرات کی خدمت کریں گے اور وہ صادق اور سخی ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اپنے اوصاف ومحاسن کی بدولت بارگاہِ نبوت میں درجۂ تقرب حاصل ہو گیا تھا۔ کئی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے متعدد موقعوں پر کاشانہ اقدس سے باہر جاتے ہوئے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اپنی معیت کا شرف بخشا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورﷺ حضرت سعدؓ بن عبادہ کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے تو حضرت عبدالرحمٰنؓ بھی آپؐ کے ساتھ تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضورﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کی علالت شروع ہوئی تو آپؐ حضرت عبدالرحمٰنؓ کو ساتھ لے کر عوالی مدینہ میں حضرت ابوسیفؓ کے گھر تشریف لے گئے جن کی اہلیہ حضرت ابراہیمؓ کی دایہ تھیں۔ آپؐ نے حضرت ابراہیمؓ کو اُٹھا کر بوسہ لیا اور سونگھا۔ جس وقت ان کی آخری سانس نکلنے لگی، تو حضورﷺ آبدیدہ ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے عرض کیا۔

'یا رسول اللہؐ آپ روتے ہیں؟''۔

ارشاد ہوا۔ ''اے ابن عوف یہ رحمت ہے''۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اپنی بات کا اعادہ کیا تو آپؐ نے فرمایا۔

''آنکھیں آنسو بہاتی ہیں، دل غمگین ہے لیکن ہم وہی کہیں گے جو ہمارے رب کی مرضی ہو۔ اے ابراہیم ہم تیرے فراق میں بہت غمگین ہیں۔

ابن عساکرؒ نے حضرت حسنؓ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰنؓ اور حضرت خالدؓ بن ولید کے درمیان کسی بات پر تلخ کلامی ہوگئی (حضرت خالدؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو کوئی سخت بات کہہ دی) سرورِ عالمﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ کو حضرت خالدؓ کی بات ناگوار گزری

(ایک اور روایت کے مطابق حضرت عبدالرحمٰنؓ نے بارگاہِ رسالت میں حضرت خالدؓ کی شکایت کی) حضور ﷺ نے حضرت خالدؓ کو بلا بھیجا اور ان سے فرمایا:۔

''خالد تم میرے بدری صحابہ میں سے کسی کو تکلیف نہ دو کیونکہ تم میں سے کوئی شخص کوہِ اُحد کے برابر سونا خرچ کرے تو ان کے (اہل بدر کے) نصف کو بھی نہیں پہنچ سکتا''۔

یہ واقعہ امام مسلمؒ، بیہقیؒ، طبرانیؒ اور بعض دوسرے علماء نے بھی بیان کیا ہے تاہم تفصیلات اور الفاظ میں کسی قدر اختلاف ہے۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کے ایثارِ نفس کا اندازہ اِس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ اصحابِ شوریٰ میں چھ بزرگ تھے جن میں دو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے موید تھے اور ایک نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کا نام پیش کیا تھا۔ لیکن وہ حقِ خلافت سے یکسر دست بردار ہو گئے اور صاف کہہ دیا۔

لست بالذی انافسکم علی ھذا الامر ۝

(میں وہ نہیں ہوں جو تم سے اس امر (خلافت پر) منافست کروں گا۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ نہایت زیرک اور دوراندیش تھے اور ان کی معاملہ فہمی اور اصابت رائے سب کے نزدیک مسلم تھی یہی سبب تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں اپنا مشیر بنایا تھا ان کے مشورے سے نہایت صائب اور خیر خواہی اُمت کے جذبے سے مملو ہوتے تھے۔ بقول ابن جریر طبری حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی وفات سے پہلے ان کے بارے میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

''عبدالرحمٰنؓ نہایت صائب الرائے ہیں ان کی رائے معقول اور درست ہوتی ہے۔ خدا کی طرف سے (غلط رائے سے) ان کی حفاظت کی جاتی ہے۔ (اگر وہ خلیفہ ہوں) تو تم ان کی بات ماننا''۔

عبادت سے بہت انتہا شغف تھا، نماز نہایت خشوع وخضوع سے پڑھتے تھے۔ خصوصاً ظہر کے فرضوں سے پہلے دیر تک نفل پڑھتے رہتے تھے۔ کثرت سے روزے رکھتے تھے اور حج بیت اللہ کی سعادت بھی متعدد بار حاصل کی تھی۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اللہ تعالیٰ نے اتنی کثیر دولت عطا کی تھی کہ ان کا شمار چوٹی کے اغنیائے صحابہؓ میں ہوتا تھا وہ ایک باہمت اور کامیاب تاجر تھے اور دولت ان پر مُن کی طرح برستی تھی۔ کے

سے خالی ہاتھ آئے تھے لیکن جب ان کے انصاری بھائی حضرت سعدؓ بن ربیع نے اپنا آدھا مال پیش کیا تو اُنھوں نے اس کے لینے سے معذرت کردی اور ان کو دُعا دیتے ہوئے یہ درخواست کی کہ مجھے بازار کا راستہ بتا دو۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے کاروبار کو اتنی ترقی دی کہ ان کا مال سینکڑوں اُونٹوں پر لد کر باہر جاتا تھا اور اسی طرح باہر سے آتا تھا۔ حافظ ابن عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ تجارت کے علاوہ وہ زراعت بھی وسیع پیمانے پر کرتے تھے حضورﷺ نے انہیں خیبر میں ایک وسیع جاگیر عطا فرمائی تھی اس کے علاوہ انہوں نے خود بھی بہت سی اراضی خریدی تھی۔ جُرف میں ان کی مملوکہ اراضی میں بیس اونٹ آب پاشی کا کام کرتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ مال و دولت کے اعتبار سے ہی غنی نہ تھے بلکہ دل کے بھی غنی تھے اور اپنی دولت بے دریغ راہِ خدا میں لٹاتے رہتے تھے ان کی انفاقِ فی سبیل اللہ اور جود وسخا کے بیشمار واقعات کتب سیر میں موجود ہیں ان کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کیسا کشادہ دستِ کرم اور کتنا جذبۂ خیر عطا کیا تھا۔

ابن اثیرؒ نے ''اُسد الغابہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے دوبار چالیس چالیس ہزار دینار راہِ خدا میں وقف کیے۔ جہاد کیلئے پانچ سو گھوڑے اور پانچ سو اونٹ حاضر کیے۔ سورہ براۃ کے نزول کے موقع پر چار ہزار درہم پیش کیے۔ مستدرکِ حاکم میں حضرت اُم بکرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اپنی ایک زمین چالیس ہزار دینار میں بیچی اور یہ ساری رقم فقراء بنی زہرہ اہل حاجت اور اُمہات المومنینؓ میں تقسیم کردی۔ جب اُم المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس حصہ پہنچا تو اُنھوں نے دریافت کیا کہ یہ مال کس نے بھیجا ہے، انہیں بتایا گیا کہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے زمین بیچی ہے اور مال تقسیم کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد تم پر سوائے بھلے لوگوں کے اور کوئی مہربانی نہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ابن عوفؓ کو جنت کی سلسبیل سے سیراب کرے۔

مسند احمدؒ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے گھر میں تھیں اُنہوں نے شور سنا دریافت کیا، یہ کیسا غُل ہے، لوگوں نے کہا، عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے سامان تجارت کا قافلہ شام سے آیا ہے اس میں ہر قسم کا سامان ہے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورﷺ سے سنا تھا کہ عبدالرحمٰنؓ جنت میں گھسٹتے ہوئے داخل ہوں گے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ تک حضرت

عائشہؓ کی بات پہنچی تو اُنہوں نے پورا قافلہ تجارت (صرف سامان ہی نہیں بلکہ اونٹ اور پالان تک) راہِ خدا میں وقف کر دیا۔

ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ایک جائیداد (بنونضیر والی) چالیس ہزار دینار پر کیدمہ کے ہاتھ فروخت کی اور یہ تمام رقم ازواجِ مطہراتؓ میں تقسیم کر دی ایک اور موقع پر ایک زمین چالیس ہزار دینار میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ فروخت کی اور اسے بھی راہ خدا میں لٹا دیا۔

امام حاکمؒ اور حافظ ابونعیمؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے (اپنی زندگی میں) تیس ہزار غلام اور لونڈیاں آزاد کیں۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ ایک ہی دن میں تیس تیس غلام آزاد کر دیتے تھے۔

خاص خاص موقعوں پر خطیر رقمیں راہ خدا میں صرف کرنے کے علاوہ وہ عام صدقات و خیرات کا سلسلہ بھی متواتر جاری رکھتے تھے۔ وفات سے پہلے اُنہوں نے جو وصیت کی اس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے۔

کثرتِ مال، غفلت شعاری کے بجائے حضرت عبدالرحمٰنؓ کیلئے خشیت الٰہی کا سبب بن گئی تھی۔ راہِ خدا میں دل کھول کر خرچ کرنے کے باوجود انہیں ہر وقت یہ فکر دامنگیر رہتی تھی کہ یہ مال و دولت آخرت میں کہیں نقصان کا باعث نہ ہو۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے ''استیعاب'' میں لکھا ہے کہ ایک بار انہوں نے اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ کی خدمت میں عرض کی اُم المومنین مجھے اندیشہ ہے کہ کثرتِ مال کہیں (آخرت میں) مجھے تباہ و برباد نہ کر دے۔ اُنہوں نے فرمایا، بیٹا اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہا کرو۔

مختصر یہ کہ سیدنا حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی زندگی کے کسی بھی پہلو کو لیں وہ ایک ایسی قد آور اور مثالی شخصیت نظر آتے ہیں کہ ملت اسلامیہ بجا طور پر ان پر ناز کر سکتی ہے اور ان کے نقش قدم پر چل کر فوز و فلاح کی منزل تک پہنچ سکتی ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

سفر نامہ کروایشیاء (قسط نمبر 11)
طارق محمود

سفر جو وسیلہ ظفر نہ تھا۔

زیگرب میں قیام کا آخری week end آ پہنچا۔ کچھ مقامات قابل دید ابھی دیکھنا باقی تھے۔ جن میں سرفہرست Istra کا علاقہ تھا جس میں ری ایکا۔ اوپاتیا اور پولا۔ بریونی کا جزیرہ زیادہ نمایاں ہیں۔ سنا ہے کہ مارشل ٹیٹو سال میں چھ ماہ یہاں گزارا کرتا تھا۔

اشتیاق کو اس سفر پر آمادہ کرنا کارِلا حاصل تھا۔ اکیلے جانے میں قباحت تو تھی کہ ایک سے دو بہر حال بھلے (خواہ دوسرا اشتیاق حسین ہی کیوں نہ ہو) جمعرات کو جاوید صاحب نے اشتیاق ظاہر کیا کہ اگر بجائے جمعہ کے میں ہفتہ کے روز جانے پر رضامند ہوں تو وہ بھی ساتھ چلنے کو تیار ہیں۔ یہ نہایت عمدہ offer تھی کیونکہ پولا میں ان کا ایک گہرا دوست رابرٹ بھی قیام پذیر تھا اِن دنوں اپنے گھر میں یوں ہم نے ہفتہ کے روز صبح چلنا طے کیا۔ جمعہ کی شام بوسینا میں پاکستان ایمبسی کے فسٹ سیکرٹری نے زیگرب سے گزرتے ہوئے رات قیام کرنا تھا۔ ان سے ملاقات کے بعد دیر سے سونے کے سبب میں اور جاوید متفق ہو گئے کہ ہفتہ کی صبح کی بجائے دوپہر کو روانہ ہوں۔ یوں ذراسست روی سے ہم بذریعہ ٹرین ری ایکا کیلئے روانہ ہوئے۔ نہایت شاندار موسم، مناظر خوب سے خوب تر۔

کمپارٹمنٹ میں ایک لڑکی جو کہ قانون کی سند یافتہ تھی، تقریباً ایک گھنٹے کیلئے ہمارے ہمراہ رہی۔

بین الاقوامی اخلاقیات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے تعارف ہوا۔ اِسکی معصومیت کو دیکھتے ہوئے اس سے صرف چند سوال اسکے Profession سے متعلق کئے جن میں نمایاں سوال یہ تھا کہ اگر کوئی ایسا مدعی اس کے پاس اپنا مقدمہ لے کر آئے پیروی کیلئے جس کا جرم واضح ہو تو کیا اس کی وکالت کرنا منظور کر لیا جائے گا؟ اور کیا ایسے حقیقی مجرم کا دفاع کرتے ہوئے ضمیر پر بوجھ نہ پڑے گا۔ کیا اِس شعبے کی اخلاقیات میں ایسی صورتِ حال کیلئے کوئی رہنمائی موجود ہے؟

جواب اِن سوالوں کا واضح طور پر اس کے پاس نہ تھا۔مزید سوالات کیلئے وقت کافی نہ تھا۔ اس کو فوٹو بنوانے کیلئے آمادہ پا کر ہم دونوں نے ایک ایک تصویر اس کے ساتھ اُتروائی۔اس کے اُترنے کے بعد کمپارٹمنٹ میں کوئی نہ آیا اور یوں سوتے جاگتے یہ خوشگوار سفر بہت جلد ختم ہو گیا۔

ایک ریسٹورنٹ میں جا کر کافی کا دور چلایا اور مرکز شہر کی جانب روانہ ہوئے۔شہر کے اکلوتے اسلامک سنٹر کا پتہ پوچھ کر پہنچے تو وہاں کوئی متنفس موجود نہ تھا۔واپس اسی ریسٹورنٹ میں آ کر کھانے کا آرڈر دیا۔

کھانے کے بعد جاوید صاحب ہاتھ دھونے گئے تو میں دائیں جانب بیٹھے سیاحوں سے بات کرنے لگا۔جاوید کے آنے پر جب میں پلٹا تو میرے سامنے ایک لاکٹ سنہری سا۔ایک باریش شخص کی تصویر والا پڑا تھا۔ہم دونوں نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ یہ پہلے تو یہاں نہیں تھا۔میں نے بھی کسی کو رکھتے نہیں دیکھا۔بل ادا کر کے اُٹھے تو ایک خاتون نے جاوید سے کچھ کہا جبکہ میں توجہ دیئے بغیر بڑھ گیا۔بعد میں، میں نے پوچھا کہ یہ کیا کہہ رہی تھی۔تو جاوید نے بتایا کہ کہہ رہی تھی کہ انکو (یعنی مجھے) ہم نے گرجا میں آنے کی دعوت دی ہے۔حیرت ہوئی کہ یسوع مسیح اپنے نمائندے بھیجے جا رہے ہیں۔لیکن بات تو تب ہے کہ خود کچھ نشانی اپنی دیتے۔

او پا تیا: بذریعہ بس 20 منٹ میں اوپا تیا پہنچے۔ساحلی علاقوں میں خوبصورتی کے لحاظ سے شاید اس کا نمبر پہلا ہی ہے۔چھوٹا سا شہر۔سمندر کے ساتھ ساتھ۔غروب کا وقت قریب تھا۔ سمندر میں نہانے کی بجائے پاؤں ڈبونے پر اکتفا کیا۔کچھ دور گئے تو ایک چرچ نما عمارت میں کچھ ساز و آواز کے آثار نظر آئے،اندر گئے تو مقامی زبان میں کچھ مناجات جاری تھی۔فضا میں حبس تھا تھوڑی دیر سن کر اُٹھ آئے۔

بس پکڑی اور واپس ریکا پہنچے۔ساڑھے دس بج رہے تھے پھر قصد مسجد کا کیا۔کوئی ذی روح نہ پا کر واپس ہوئے تو دو اصحاب نے ذرا توجہ سے دیکھا اور قریب آنے پر سلام کیا۔پوچھنے پر پتہ چلا کہ عشاء ابھی ہو گی پونے گیارہ بجے۔

وضو کر کے نماز ادا کی۔یہ دونوں حضرات کچھ زیادہ سوشل نہ تھے۔سرسری سی باتوں کے بعد

یہاں سے رُخصت ہوئے۔

پولا (PULA) کیلئے معلومات لے کر پھر ایک ریسٹورنٹ میں جا بیٹھے۔رات 2 بجے تک وقت کو گذرتے دیکھا۔

بس سٹاپ پر جا کر معلومات لیں تو کمپیوٹر پر 0315 کا وقت میں نے دیکھا پولا کیلئے بس کا۔ ایک قریبی کیفے میں باقی وقت گزار کر جاوید صاحب نے معلومات لیں تو انکو 0340 کا وقت معلوم ہوا۔میں تو بس میں جا کر بیٹھ گیا جبکہ جاوید صاحب نے سگریٹ کی وجہ سے باہر ہی قیام کیا۔سگریٹ یہاں بسوں اور ٹرینوں میں پینا منع ہے اور سوار ہونے سے پہلے لازماً باہر پھینک دیا جاتا ہے۔

0315 پر بس نے حرکت کی اور ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ کیسے رکواؤں جاوید کیلئے۔ کہ بس کافی فاصلہ طے کر گئی۔میں نے خاموش رہنے ہی میں عافیت جانی۔جاوید کا موبائل فون بھی میرے پاس تھا۔کچھ دیر بعد فون آیا کچھ دیر بعد فون آیا ان کا کہ اب وہ اگلی بس پر ہی آئیں گے۔ ہم دونوں نے اگلی بس کا وقت 0615 دیکھا تھا۔میں نے سوچ لیا کہ اب منزل مقصود پر ۳ گھنٹے انتظار کرنا ہوگا۔اس دوران موبائل کی بیٹری ڈاؤن ہونے کی وجہ سے مزید رابطے کا امکان بھی نہ رہا۔

0530 پر PULA پہنچ کر میں نے پہلے سے طے کردہ ۳ گھنٹے کا وقت گزارنے کی پلاننگ یوں کی کہ اسلامک سنٹر کو تلاش کر کے وہاں پہنچا۔فجر والے سب جا چکے تھے۔مسجد خالی تھی۔نہا دھو کر تازہ دم ہو کے خراماں خراماں واپس بس سٹاپ پر آیا۔کافی انتظار کے بعد 0800 کے قریب جاوید صاحب اپنے دوست رابرٹ کے ساتھ آ گئے۔

غلطی یہ ہوئی کہ اس صورت حال میں اشتیاق کے ذریعے باہم رابطے کے امکان کی طرف ذہن منتقل ہی نہ ہوا۔میں نے 3 گھنٹے کے انتظار کو لازم سمجھ لیا تھا جبکہ جاوید صاحب میرے پہنچنے کے 20 منٹ بعد ہی پہنچ گئے تھے۔مجھے موجود نہ پا کر وہ سمجھے کہ میں دوسرے اڈے میں نہ پہنچ گیا ہوں اس لئے وہ دوسرے سٹاپ پر گئے اور مجھے وہاں بھی نہ پا کر اپنے دوست کے ہمراہ پھر پہلے

سٹاپ پر آ گئے ۔جہاں ہماری ملاقات ہوگئی ۔

کچھ دیر تک تجزیہ اس صورت حال کا ہوتا رہا کہ ہم دونوں کو کس طرح نبٹنا چاہیئے تھا۔اِس غیر متوقع واقعے کی صورت میں میرا موقف یہ تھا کہ چونکہ اگلی بس ۳ گھنٹے بعد چلنا تھی اِس لئے میں نے تو اس ''معلوم'' کی بنیاد پر اپنے تیئں بخوبی نتائج اخذ کر کے تین گھنٹے گزارے اور واپس یہاں آ گیا۔

جبکہ جاوید صاحب کا کہنا تھا کہ مجھے زیگرب میں اشتیاق کو اپنے بارے میں بتا دینا چاہیے تھا کہ وہ ہم دونوں کیلئے Common point تھا ۔بات اِنکی بھی ٹھیک تھی لیکن مجھے کیا علم تھا کہ بسیں اور کمپنیوں کی بھی وہاں سے آتی رہتی ہیں۔

بہر کیف! اِس بے کیفی کے اثرات زیادہ دیر نہ رہے ۔ایک ریسٹورنٹ میں ناشتہ کر کے شہر کے چیدہ چیدہ مقامات دیکھے۔ یہ شہر بھی خاصا تاریخی ہے اور آثار قدیمہ یہاں Roman Empire کے وقتوں کے جا بجا محفوظ کئے گئے ہیں یوں لگتا ہے کہ اہل کروشیاء تاریخ ساز نہیں بلکہ تاریخ فروش ہیں ۔

وزیرے چنیں ۔شہر یارے چناں: جاوید صاحب کی منفرد طبیعت کی وجہ سے اِنکے حلقہ شناسائی میں بھی مختلف افتادِ طبع کے لوگ پائے جاتے ہیں۔

PULA میں ہمارا میزبان ۔رابرٹ ۔MBBS کا کورس مکمل کر کے کسی ملازمت پر ٹکنے یا Practice کرنے کی بجائے مصوری کو ذریعہ معاش بنائے ہوئے ہے ۔اِن دنوں وہ ایک مقامی ریسٹورنٹ میں بطور ویٹر ملازمت کر رہا تھا اور یہ بات بتاتے ہوئے اسے کوئی جھجھک یا ندامت نہ تھی ۔

Tourist Season میں یہاں یہ پیشہ کافی زربخش شمار کیا جاتا ہے ۔میں نے حسب روایت سوال کیا کہ اتنی تعلیم کے بعد یہ معمولی ملازمت کیونکر قبول کی اور کیا یہ حاصل کردہ علم کو ضائع کرنے کے مترادف نہیں ہے؟

جواب اس کا یہ تھا کہ مجھے یکسانیت اور یک جہتی پسند نہیں ۔اس لئے میں مصوری کو بھی

اپنائے ہوئے ہوں اور اس بیرا گیری میں ہی کافی دلچسپ ماحول ملتا ہے۔ رنگ رنگ کے لوگوں اور رویوں سے واسطہ پڑنے کی وجہ سے انسان بہت کچھ سیکھتا ہے۔

کوئی ذہنی بوجھ بھی نہیں ہوتا۔ نہ غلط تشخیص اور علاج کی صورت میں ذمہ داری کا خدشہ، ڈاکٹر کو ہمہ وقت محتاط رہنا پڑتا ہے۔ جبکہ یہاں آرڈر لیا۔ Serve کر کے فارغ۔

شہر کی سیر کے بعد رابرٹ کے گھر گئے جہاں شیو اور غسل کیا۔ کافی پی اس کی والدہ بھی موجود تھی جو اٹلی میں کسی old House میں کام کرتی ہے۔

بریونی BIRUNI

اِس سفر کے بنیادی محرکات میں سے سب سے اہم چیز، اس جزیرے Biruni کو دیکھنا تھا۔ میں نے صبح حاصل کردہ معلومات کی بنیاد پر مشورہ دیا کہ دوپہر دو بجے والی فیری یا بوٹ پکڑلی جائے اور رابرٹ کو فارغ کر دیا جائے لیکن جاوید صاحب نے خلافِ معمول ایک مختلف پروگرام ترتیب دیا کہ پہلے قریبی ساحل پر اشنان کیا جائے اور پھر قریبی گاؤں Fozana تک رابرٹ کی گاڑی میں چلا جائے اور وہاں سے بذریعہ کشتی بریونی۔

رابرٹ کی ڈیوٹی 5 بجے شروع ہوتی تھی۔ جاوید کا اصرار تھا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ چلے۔ اِس پروگرام کے پہلے حصے یعنی ساحل کی کاروائی میں اتنا وقت صرف ہوگیا کہ باقی پروگرام تہس نہس ہونے کے امکانات واضح نظر آرہے تھے۔ ۳ بجے Fazua پہنچے تو پتہ چلا کہ صرف ایک کشتی کا وقت باقی ہے اور اس کے ٹکٹ بک چکے ہیں۔

Briuni کا جزیرہ ۳۰۰ میٹر کے فاصلے پر تھا۔ اتنی قریب سے دیکھ کر نہ پہنچ پانے کا افسوس بہت ہوا۔ ایک ارادہ یہ بھی بنا کہ رات یہاں گزار کر صبح اس کو دیکھ لیا جائے۔ اِسی ادھیڑ بن میں کھانا کھایا۔ یہ بھی پتہ چل چکا تھا کہ جزیرے کا ٹکٹ غیر ملکیوں کیلئے 175 کونا فی کس (1500 روپے) ہے۔ جبکہ مقامی لوگوں کیلئے واجبی سی رقم ہے۔ اِس امتیازی سلوک نے بھی بد دل کیا۔ رات جاگتے رہنے کے اثرات بھی شروع تھے۔ بالآخر فیصلہ ہوگیا کہ اس جزیرے کو دور سے دیکھ لیا یہی کافی ہے۔ یہ بھی دوسرے جزیروں سے کتنا مختلف ہوگا؟ رابرٹ کے ساتھ ہی واپس PULA آئے اور ہماری فرمائش پر اس نے ہمیں اسلامک سنٹر کے قریب اُتار دیا۔

اسلامک سنٹر PULA

اِس مقام سے تعارف تو صبح ہو چکا تھا۔ اب پہنچے تو وقت عصر کا تھا، وضو کر کے تازہ دم ہو کر مسجد میں گیا تو جماعت جو کہ ایک امام اور ایک مقتدی پر مشتمل تھی، سلام پھیر چکی تھی، دُعا کے بعد میں نے اپنا تعارف کروایا۔

امام صاحب نے پوچھا کہ آپ کیلئے دوبارہ جماعت کروادوں، میں نے جواب دیا کہ ضرور بولے میں پڑھاؤں یا آپ امام بنیں گے۔ میں نے اقتداء کو ترجیح دی، انہوں نے اقامت کہی اور نماز پڑھا دی۔

نماز کے بعد کچھ گپ شپ رہی۔ بتانے لگے کہ میں یمن کا رہنے والا ہوں۔ پندرہ سال پہلے انجینئرنگ کی تعلیم کیلئے یہاں آیا تھا۔ یہیں شادی کر لی اور پھر اِدھر کا ہی ہو کر رہ گیا۔

اِسلامک سنٹر سے روانہ ہو کر بس کا ٹائم معلوم کیا زیگرب واپسی کیلئے، باقیماندہ وقفہ میں میکڈونلڈ سے آئس کریم کا دور چلایا تا کہ ناغہ نہ ہونے پائے۔ یہ روایت تقریباً بلا ناغہ ہی قیامِ کروشیا میں قائم رہی۔

ترگ بانا میں آخری رات

ترگ بانا ییلا چیچا (Trg Bana jelacica) یہاں ایک Square ہی نہیں بلکہ ایک تہذیبی زندگی کا ایک مرکز ہے۔ رنگا رنگ مناظر نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ٹولیوں کی صورت رات گئے تک خوش گپیوں میں مصروف نظر آتے ہیں۔ کچھ من چلے (لیکن بہت کم) پی کر جھومتے بھی نظر آتے ہیں۔

زیگرب کی آخری رات۔ رات کا کھانا ایک ریسٹورنٹ میں کھایا جو کہ سوپ اور پزا پر مشتمل تھا۔ پھر میری خواہش پر ایک نسبتاً کھلے علاقے میں واقع میکڈونلڈ پر جا کر آئس کریم کا دور رہا۔ اِس کے بعد اشتیاق کی خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے طواف ترگ بانا کو روانہ ہوئے۔ نصف رات بیت چکی تھی لیکن معمول کی رونق قائم تھی۔ چونکہ سالانہ چھٹیاں ہو چکی تھیں اس لئے اب ہفتے کے تمام دن ''week end'' والا منظر پیش کرتے ہیں۔ مشروب کا دور چلا کر اشتیاق تو پیدل روانہ ہو گئے جبکہ میں اور جاوید ٹرام کے انتظار میں بیٹھ گئے۔

قریب ہی ایک لڑکی اٹھارہ، اُنیس برس کی ٹرام کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ جاوید صاحب نے

کہا کہ اس سے کوئی سوال پوچھیں۔ میں نے کسی غیر متوقع بدمزگی کے خدشے کے سبب پہلو تہی کی لیکن جاوید کا اصرار تھا کہ وہ میرے سوالوں کے انداز کا جائزہ لینا چاہ رہے ہیں۔

پہلا سوال تو عمر نوعیت کا ہی بنتا تھا کہ Do you know English? اِس کا جواب بڑی عمر کے اکثر لوگ نفی میں اور نوجوان عموماً A little bit کہہ کر دیتے ہیں۔

میں نے اِسے بتایا کہ میرا تعلق پاکستان سے ہے اور میں اس سے کچھ ذاتی نوعیت کے سوال پوچھنا چاہوں گا۔ ایسے موقعوں پر اکثریت کا انداز اور response میں نے مثبت ہی دیکھا۔

کہنے لگی پوچھیں۔ میں نے پہلا سوال کیا کہ ہمارے ہاں تو کسی لڑکی کا اکیلے اور رات کے اِس سمے گھر سے باہر ہونا ایک نا قابل یقین سی بات ہے۔ تم جو اِس وقت یہاں ہو تو کیا تمہارے ماں باپ کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا اور کیا تم اپنے ماں باپ کے ساتھ ہی رہتی ہو؟

جواباً اس نے کہا کہ وہ اِس بارے میں متفکر تو ہوتے ہیں لیکن میں چونکہ انکو بتا کر اپنے بوائے فرینڈ سے ملنے آئی تھی اِس لئے وہ مطمئن ہونگے۔

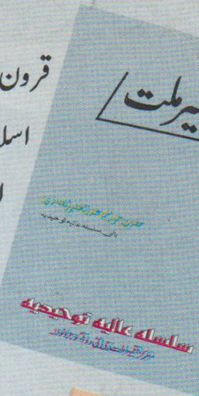
میں نے پوچھا کہ اتنی رات گئے گھر جانے سے، احتیاط کے باوجود کچھ Disturbance تو ہوگی؟ کہنے لگی وہ بھی TV وغیرہ دیکھ رہے ہوں گے اِس لئے یہ کوئی مسئلہ نہیں۔

میں نے کہا کہ اب ذرا مزید Personal سوال کہ یہ کتنواں بوائے فرینڈ ہے؟ متحیر ہوئی یہ سوال سن کر اور جھجکی بھی۔ میں نے کہا کہ زیادہ پرسنل تو نہیں ہے یہ سوال؟ اتنی دیر میں اس نے حیرت پر قابو پا لیا تھا۔ کہنے لگی یہ دوسرا ہے۔

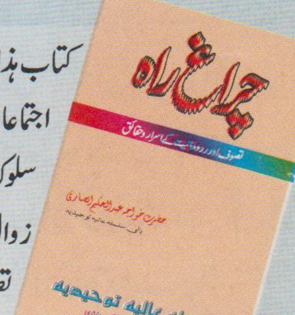
پوچھا کہ پہلے سے کیا معاملہ پیش آیا۔ کہنے لگی اِس سے Understanding نہ ہو سکی۔ تفصیل دلچسپ ہوتی لیکن پوچھی نہ جا سکی پوچھا کہ ماں باپ کچھ روک ٹوک یا مشورہ تو دیتے ہونگے کہ فلاں سے ملو اور فلاں سے نہ ملو۔ کہنے لگی وہ یوں دخل اندازی تو نہیں کرتے البتہ یہ دوسرا جو ہے وہ انکو بھی پسند آیا ہے اور وہ اس کی طرف سے مطمئن ہیں۔

اتنے میں ٹرام آ گئی اور اس عفیفہ کی نجات میرے سوالوں سے ہو گئی۔ (جاری ہے)

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔

سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔

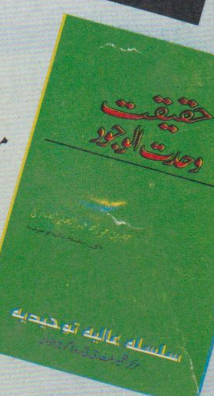
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔

تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

Reg: SR - 01

Website: www.toheedia.net